تصوف کی حقیقت

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ

ترجمہ
مولانا عبد الرزاق ملیح آبادی

نظر ثانی
محمد خالد سیف

تصوّف کی حقیقت

مع

رسالہ مجذوب

تصنیف

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ

ــــ ترجمہ ــــ

مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی

ــــ نظرثانی ومقدمہ ــــ

محمد خالد سیف

طارق اکیڈمی

ڈی گراؤنڈ (سموسہ چوک) فیصل آباد

انسانی گمراہی کا سب سے بڑا سرچشمہ آباؤ اجداد کی اندھی تقلید ہے۔

(ابوالکلام آزادؒ)

- کتاب .... تصوف کی حقیقت، مجذوب
- مصنف .... شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ
- اہتمام .... محمد سرور طارق
- اشاعت .... اگست 2002ء جمادی الثانی ۱۴۲۳ھ
- طباعت .... اُحد پرنٹنگ پریس، لاہور

ڈسٹری بیوٹر

دارالسلام

پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز

ریاض.... هیوسٹن ... لاهور

غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

فون 7120054 فیکس 7320703

DARUSSALAM

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محال است سعدی کہ راہِ صفا
تواں رفت جز درپے مصطفیٰ

﴿اے سعدی! محال ہے کہ کوئی شخص اتباعِ رسول ﷺ کے بغیر (اور کسی ذریعے سے) تصوف کا راستہ طے کر سکے﴾

ولی اللہ کی پہچان اور مقام

ولایت کی دلیل فقط ایک ہے اور وہ محمد ﷺ کی غلامی ہے۔ جو جتنا ان کے قریب ہوا وہ اتنا بڑا ولی ہوا۔ جو جتنا ان کی ذات اور ان کی سنت میں فنا ہوا، وہ اتنا ہی مقرب بارگاہِ الٰہی ہوا۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (آلِ عمران:٣١)

''آپ کہہ دیجئے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو۔ اگر تم اس کی ولایت کا دم بھرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تعالیٰ تمہیں مقامِ محبوبیت پر سرفراز کرے گا اور اللہ بڑا بخشنے والا اور کرم کرنے والا ہے۔ پس یاد رکھئے!

کشف ولایت کی کسوٹی نہیں۔

خرقِ عادت بات کا ظہور ولایت کی دلیل نہیں۔

تصرف و تسخیر ولایت کی دلیل نہیں۔

حتیٰ کہ دعاء کی قبولیت بھی ولایت کی دلیل نہیں۔

اس بات کو پلے باندھ لو کہ ولایت اور قربِ الٰہی کے تمام درجات اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہی سے حاصل ہوتے ہیں۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا (النسأ:٦٩)

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں یہی لوگ ہیں جن پر اللہ کی نوازشیں ہیں۔ یہی لوگ ہیں جنہیں انبیاء کی معیت نصیب ہوتی ہے۔

یہی لوگ ہیں جنہیں صدیقیت اور شہادت کے مقاموں سے نوازا جاتا ہے...... صلحاء اور اولیاء کے سب درجات و مراتب کا انحصار اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت پر ہے۔

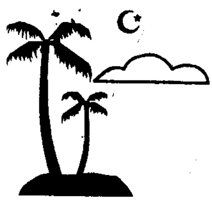
اولیاء اللہ تو واجب الادب اور واجب التعظیم ہوتے ہیں۔ جو اولیاء اللہ کا نام ادب سے نہ لے اور روح کی گہرائیوں سے ان کی عزت نہ کرے وہ بھی کوئی انسان ہے، اسے اصطبل میں باندھو۔ کاالانعام بل ھم اضل۔

ان کی شان میں ادنیٰ سی گستاخی بھی موجب حرماں ہے، سدّہٗ مجاری فیض ہے اور یہ بات اس حدیث قدسی کی روشنی میں کر رہا ہوں جو صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

وَمَنْ عَادیٰ لی و لیاً فقد آذنتُهٗ بالحرب۔

جو میرے کسی دوست سے دشمنی کرتا ہے، میں اس کے ساتھ جنگ کا اعلان کرتا ہوں۔

سید ابوبکر غزنویؒ
وائس چانسلر، بہاولپور یونیورسٹی



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

اسلام ایک مکمل دین اور جامع ضابطۂ حیات ہے جو عقائد، عبادات، معاملات، اخلاقیات، معاشیات، سیاسیات اور دنیا و آخرت سے متعلق ایک ایک گوشہ کے بارے میں رہنمائی کا مکمل نور فراہم کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ (المآئدة:۳)

(آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا)

اللہ تعالیٰ کی اس امت پر سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ اس نے اس کے دین کو مکمل کر دیا کہ اب نہ کسی دین کی ضرورت ہے اور نہ امامِ کائنات، فخرِ موجودات حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی کے سوا اور کسی نبی کی ضرورت ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو خاتم الانبیاء والمرسلین بنا کر قیامت تک آنے والے تمام انسانوں اور جنوں کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا ہے۔ حلال صرف وہ ہے جسے آپ ﷺ نے حلال قرار دیا حرام صرف وہ ہے جسے آپ ﷺ نے حرام قرار دیا اور دین صرف وہ ہے جسے آپ ﷺ نے اپنی امت تک پہنچایا اور آپ ﷺ نے جو بھی ارشاد فرمایا وہ حق وصداقت پر مبنی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ (الانعام:۱۱۵)

(اور تمہارے پروردگار کی باتیں سچائی اور انصاف میں پوری ہیں)

یعنی دین میں بیان کی گئی اخبار مبنی بر صداقت ہیں اور اوامر و نواہی مبنی بر عدل و انصاف ہیں۔ لہٰذا تم اس دنیا پر خوش ہو جاؤ اور اپنی خوبیٔ قسمت پر ناز کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس مکمل دین سے سرفراز فرمایا ہے جو اس کی نگاہ میں سب سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

حضور سرور کائنات ﷺ دنیا میں ایک جامع دین وشریعت کے ساتھ تشریف لائے۔ اللہ علام الغیوب کے علم میں تھا کہ کچھ لوگ ایسے بھی پیدا ہو جائیں گے جو یہ کہیں گے کہ آپ ﷺ نے جو شریعت پیش فرمائی ہے وہ تو بلاشبہ کافی ہے لیکن طریقت یعنی تزکیۂ نفس اور طہارتِ قلب کے لئے ہمیں کچھ اور باتوں کی بھی ضرورت ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی بعثت کے بنیادی مقاصد میں تزکیۂ نفس وطہارتِ قلب کا بھی بطورِ خاص ذکر فرمایا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر بیت اللہ کے وقت آپ ﷺ کی بعثت کے لئے یہ دعاء فرمائی تھی:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ (البقرۃ:۱۲۹)

(اے پروردگار ان (لوگوں) میں انہیں میں سے ایک پیغمبر مبعوث کیجئے، جو ان کو تیری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کرے اور کتاب اور دانائی سکھایا کرے اور ان (کے دلوں) کو پاک صاف کردے بے شک تو غالب اور صاحبِ حکمت ہے)

اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل علیہ السلام کی اس دعاء کو شرفِ قبولیت سے نوازتے ہوئے جب آنحضرت ﷺ کو مبعوث فرما دیا تو آپ ﷺ کی بعثت کے مقاصد کو اس طرح بیان فرمایا:

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنْكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّالَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ۝ (البقرۃ:۱۵۱)

"جس طرح (منجملہ اور نعمتوں کے) ہم نے تم میں تمہیں میں سے ایک رسول بھیجے ہیں۔ جو تمہیں ہماری آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور تمہیں پاک بناتے اور کتاب (یعنی قرآن) اور دانائی سکھاتے ہیں اور ایسی باتیں بتاتے ہیں جو تم پہلے نہیں جانتے تھے"

اسی طرح سورۂ آل عمران کی آیت ۱۶۴ اور سورۃ الجمعۃ کی آیت ۲ میں بھی آنحضرت ﷺ کی

بعثت کے مقاصد میں تلاوتِ آیاتِ اور تعلیمِ کتاب وحکمت کے ساتھ ساتھ تزکیہّ کا بھی بطورِ خاص ذکر کیا گیا ہے۔ تزکیہّ کے لغوی معنی تو کسی چیز کو صاف ستھرا بنانے اور پروان چڑھانے کے ہیں مگر اصطلاحِ شریعت میں اس کا مفہوم نفس کو غلط رجحانات ومیلانات اور خواہشات سے موڑ کر نیکی اور تقویٰ کے راستے پر لگانے اور اسے درجہ کمال تک پہنچانے کے ہیں لیکن یاد رہے نفس کے تزکیہ اور قلب کی طہارت کا سامان صرف اور صرف کتاب وسنت کی پیروی ہی سے میسر آ سکتا ہے۔ ہر وہ راستہ جو کتاب وسنت کے صراط مستقیم کو چھوڑ کر اختیار کیا جائے وہ گمراہی اور ضلالت ہی کی طرف جائے گا خواہ اسے کیسے ہی خوشنما ناموں سے کیوں نہ موسوم کیا گیا ہو بات کی وضاحت کے لئے یہاں ہم اس حدیث شریف کی طرف اپنے قارئین کرام کی توجہ مبذول کرائیں گے جو حضرت انس ؓ سے مروی ہے کہ ایک بار تین آدمی حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواجِ مطہرات کے گھر آئے اور انہوں نے ان سے آپ ﷺ کی عبادت کے بارے میں پوچھا۔ جب انہیں آپ ﷺ کی عبادت کی تفصیل بتادی گئی تو انہوں نے اسے بہت کم سمجھا اور کہا کہ ہمیں نبی اکرم ﷺ سے کیا نسبت، آپ ﷺ کے تو اگلے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں (لہٰذا ہمیں آپ ﷺ سے زیادہ عبادت کرنے کی ضرورت ہے) ان میں سے ایک کہنے لگا کہ میں تو ہمیشہ ساری ساری رات نماز پڑھا کروں گا، دوسرے نے کہا کہ میں ساری زندگی روزے رکھتا رہوں گا اور کبھی روزے کا ناغہ نہیں کروں گا اور تیسرے نے کہا کہ میں عورتوں سے کنارہ کش رہوں گا اور کبھی نکاح نہیں کروں گا۔ حضور سرورِ کائنات ﷺ کو جب ان لوگوں کی باتیں معلوم ہوئیں تو آپ ان کے پاس تشریف لائے اور ان سے پوچھا کہ تم نے یہ باتیں کی ہیں، انہوں نے ان باتوں کا اقرار کیا تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: خبردار اللہ کی قسم! میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور اس کا خوف دل میں سب سے زیادہ رکھنے والا ہوں، لیکن میں روزے رکھتا ہوں اور چھوڑ بھی دیتا ہوں (رات کو) نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں (یہ ہے میری سنت) اور جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں (یعنی مجھ سے اس کا کوئی تعلق نہیں) ہے (صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح۔ صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب النکاح لمن تأقت نفسہ الیہ)

غور فرمائیے کہ یہ سارے کام یعنی ساری ساری رات کا قیام، ساری زندگی روزے رکھنا اور تجرد اختیار کر کے ساری زندگی عبادت و ریاضت کے لئے وقف کرنا بظاہر کتنے اچھے کام تھے، لیکن یہ حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طریقے اور سنت کے خلاف تھے اس لئے آپ ﷺ نے ایسے کام کرنے اور عبادت و ریاضت کے ایسے طریقے اختیار کرنے والوں سے لاتعلقی کا اظہار فرمایا۔ وہ تصوف، وہ طریقت اور وہ سلوک انسان کو نہ منزل مراد تک پہنچا سکتا ہے اور نہ دنیا و آخرت کی کامیابی و کامرانی سے ہمکنار کر سکتا ہے جو حضور سرور کائنات ﷺ کی سیرت و سنت اور آپ ﷺ کے طریقہ کے خلاف ہو۔

تصوف کے یوں تو بہت سے سلسلے ہیں لیکن برصغیر پاک و ہند میں ان میں سے چار سلسلوں یعنی چشتیہ، سہروردیہ، نقشبندیہ اور قادریہ کا بہت چرچا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ قرونِ اولیٰ کے وہ مسلمان جو ایمان، عمل صالح، تزکیۂ نفس اور طہارتِ قلب کے اعتبار سے بعد میں آنے والے لوگوں سے بدرجہا آگے تھے ان کے بارے میں کیا خیال ہے؟ کیا ان میں کوئی کمی تھی؟ کیا ان کے ایمان میں کوئی نقص تھا؟ کیا نیکی و تقویٰ میں وہ کسی سے کم تھے؟ وہ سابقون اولون تو ان میں سے کسی سلسلہ کے ساتھ منسلک نہ تھے اس لئے کہ یہ سلسلے تو صدیوں بعد کی پیداوار ہیں سلسلہ چشتیہ کے بانی خواجہ احمد ابدال کا تعلق چوتھی صدی ہجری سے ہے، ان کی وفات ۹۶۵ء/۳۵۵ھ میں ہے اور بعض کے نزدیک اس سلسلہ کے بانی خواجہ ابواسحاق شامی ہیں، ان کی وفات ۹۴۰ء/۳۲۹ھ میں ہے یاد رہے اس سلسلہ کو برصغیر پاک و ہند میں خواجہ معین الدین چشتی نے جاری کیا تھا۔ خواجہ صاحب نے ۱۶ مارچ ۱۲۳۶ء/ ۶ رجب ۶۳۳ھ کو انتقال فرمایا تھا۔

سلسلہ سہروردیہ کے بانی اگرچہ شیخ ابوالنجیب سہروردی تھے، لیکن اس سلسلہ کو فروغ شیخ شہاب الدین سہروردی کی وجہ سے ہوا۔ جن کا سال وفات ۱۲۳۴ء/۶۳۲ھ ہے۔ سلسلہ قادریہ شیخ عبدالقادر جیلانی (م۔ ۱۱۶۶ء) کی طرف منسوب ہے، برصغیر میں یہ سلسلہ آپ کے فرزند شیخ عیسیٰ کی وجہ سے داخل ہوا لیکن اس سلسلہ کو فروغ دینے والے شیخ محمد حسین گیلانی تھے۔ جو ۱۴۸۸ء میں فوت ہوئے۔

سلسلہ نقشبندیہ کے بانی خوجہ محمد یسوی (۱۱۶۶ء/۵۶۲ھ) ہیں لیکن اسے فروغ دینے

والے خواجہ بہاؤ الدین نقشبند ہیں، جو ۱۳۸۸ء/۶۹۲ھ میں اس دنیا سے رخصت ہوئے۔
اس تفصیل کے بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ باطنی وروحانی کمالات اور نیکی وتقویٰ کے اعتبار سے بلند درجات کا حصول تصوف کے ان معروف سلسلوں کے ساتھ وابستگی کا محتاج نہیں ہے۔ کیونکہ ان چاروں سلسلوں میں سے قدیم ترین چشتی سلسلہ ہے اور اس سلسلہ کے بانی کا تعلق چوتھی صدی ہجری سے ہے، دیگر سلسلے اس کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ابتدائی چار صدیوں کے مسلمان جو اِن سلسلوں کے معرض وجود میں آنے سے پہلے تھے کیا ان کے ہاں باطنی وروحانی کمالات کے اعتبار سے کوئی فرق تھا؟ اس کا جواب یقیناً نفی میں ہے بلکہ وہ لوگ یقیناً نیکی وتقویٰ کے درجات اور باطنی وروحانی کمالات میں سب سے آگے تھے، جن کا عمل کتاب وسنت کے مطابق تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور کے اہل اللہ اور علماء ربانی کتاب وسنت کی اتباع پر زور دیتے آئے ہیں اور وہ تصوف وطریقت کے ان تمام سلسلوں کی نفی کرتے آئے ہیں، جو کتاب وسنت کے خلاف تھے ان اہل اللہ اور علماء ربانی میں ایک بہت ہی سر برآوردہ شخصیت مشہور محدث ومفسر، فقیہہ مجتہد اور آٹھویں صدی ہجری کے مجدد، شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ ہیں جو خلافِ کتاب وسنت افکار ونظریات کی تردید کے لئے شمشیر برّاں تھے۔ انہوں نے جس طرح دیگر شعبوں سے متعلق ان افکار وآراء کی تردید کی جو کتاب وسنت کے خلاف تھے اسی طرح انہوں نے ان افکار ونظریات پر بھی شدید تنقید کی جو تصوف کے نام سے مسلمانوں میں رواج پا گئے تھے اور حقیقت میں اسلامی تعلیمات کے صریحاً خلاف تھے۔ مثلاً اسلام کی سب سے پہلی بنیاد توحید ہے، توحید یہ ہے کہ ''الٰہ'' صرف اللہ تعالیٰ ہی کو مانا جائے، جو ان تمام صفاتِ کمال سے متصف اور عیوب ونقائص سے پاک ہے، جن کی تعلیم خود اللہ ذوالجلال والاکرام نے اپنے نبیوں کے ذریعہ سے کی ہے لیکن صوفیا کرام کا تصورِ توحید اس کے بالکل خلاف ہے، جس کی تعلیم اسلام نے دی ہے، بلکہ ہر ہر پیغمبر نے جس کی تعلیم اپنے اپنے وقت میں دی تھی اور حضور اکرم ﷺ نے اس کی مکمل وضاحت فرما دی اور جو صاف صاف قرآن وحدیث سے سمجھ میں آتی ہے لیکن اس کے برعکس صوفیا کے سرخیل شیخ ابن عربی کا مسلک یہ ہے:

''وجود ایک ہی ہے، مخلوق کا وجود خالق کا وجود ہے''

خالق ہی مخلوق ہے اور مخلوق ہی خالق ہے، وجود میں رب وعبد کی کوئی تفریق نہیں وہاں نہ کوئی خالق ہے نہ مخلوق، نہ کوئی داعی نہ کوئی مجیب، وجود کا جب ایمان پر فیضان ہوا اور اس نے ان کے اندر ظہور کیا تو ایمان کی حیثیت سے اس میں تنوع اور تفریق پیدا ہوئی جیسے کہ روشنی مختلف الالوان شیشوں میں مختلف رنگوں میں ظاہر ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ گو سالہ پرستوں نے درحقیقت اللہ ہی کی پرستش کی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو جو ٹوکا تھا تو اس بات پر کہ انہوں نے گوسالہ پرستی کی مخالفت کیوں کی...... فرعون اپنے اس دعویٰ میں برسرِ حق تھا کہ "اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى" بلکہ وہ عین حق تھا۔ شیخ ابن عربی کے یہ تمام اقوال اس کی کتاب "فصوص الحکم" میں موجود ہیں، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے ابن عربی اور اس کے ہم نوا صوفیاء پر شدید تنقید کی ہے۔ کیونکہ یہ لوگ نہ صرف شریعت بلکہ عقل اور اخلاق کی تمام حدود کو بھی پھلانگ گئے تھے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

اس سلسلہ میں ایک جماعت بہت زیادہ گمراہ ہوئی، ان میں سے ابن سبعین، صدرالدین قونوی (تلمیذ ابن عربی) بلیانی اور تلمسانی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان میں تلمسانی سب سے بڑھا ہوا تھا، وہ شراب پیتا تھا اور محرمات کا ارتکاب کرتا تھا اور کہتا تھا کہ جب وجود ایک ہے تو حلال وحرام کی تفریق کیسی؟

مجھ سے ایک معتبر آدمی نے بیان کیا کہ وہ تلمسانی سے "فصوص الحکم" کا درس لیتے تھے اور اس کو اولیاء اللہ اور عارفین کا کلام سمجھتے تھے۔ جب انہوں نے فصوص کو پڑھا اور دیکھا کہ اس کے مضامین تو قرآن مجید کے صریح خلاف ہیں تو انہوں نے تلمسانی سے کہا کہ قرآن تو سارا شرک سے بھرا ہوا ہے اس لئے کہ وہ رب اور عبد میں فرق کرتا ہے توحید تو ہمارے کلام میں ہے، اس کا یہ بھی مقولہ ہے کہ کشف کے ذریعہ وہ ثابت ہوا ہے جو صریح عقل کے خلاف ہے۔

ایک شخص نے جو تلمسانی اور اس کے ہم خیال لوگوں کے ساتھ تھا، مجھے خود سنایا کہ ہمارا گزر ایک مردہ کتے کے پاس سے ہوا جس کو خارش تھی، تلمسانی کے ایک رفیق نے کہا کہ یہ بھی ذاتِ خداوندی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ کیا کوئی چیز اس کی ذات سے خارج ہے؟ ہاں سب کے سب اس کی ذات کے اندر ہیں (الفرق بین الحق والباطل ص: ۱۴۵)

اسی طرح شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے وحدت الوجود کے قائل ان صوفیا کی تردید کرتے

ہوئے لکھا ہے:

بعض لوگوں سے کہا گیا کہ جب وجود ایک ہے تو بیوی کیوں حلال اور ماں کیوں حرام ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہمارے نزدیک سب ایک ہیں لیکن ان مَحجُوبِین (توحید حقیقی سے ناآشنا لوگوں) نے کہا کہ ماں حرام ہے، ہم نے بھی کہا کہ ہاں تم لوگوں پر حرام ہے'' (امرد الاقوم علی فصوص الحکم ص ۴۲)

بہر حال یہ ایک دلچسپ اور تفصیل طلب موضوع ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے صوفیا کے اس قبیل کے افکار و نظریات کو نہایت شدت کے ساتھ ہدفِ تنقید ٹھہرایا ہے، اسی طرح نبوت و رسالت، شریعت اور قیامت سے متعلق صوفیاء کے نظریات کو بھی انہوں نے اپنی بہت سی کتابوں میں خلافِ قرآن و سنت قرار دیا ہے۔

صوفیاء کے اسی قسم کے افکار و نظریات پر تنقید سے متعلق ان کی بعض تحریروں کو ''حقیقۃ التصوف'' نامی اس کتاب میں یکجا کیا گیا تھا، مولانا عبدالرزاق ملیح آبادیؒ نے اس کا اردو زبان میں ترجمہ کردیا تھا قارئین کرام کی سہولت کے لئے مولانا ملیح آبادیؒ کے اسی ترجمہ کی نوک پلک درست کر کے اور کئی بہم مقامات کے ترجمہ کی اصل کے ساتھ تقابل کے بعد اصلاح کر کے ''**طارق اکیڈمی**'' زیورِ طبع سے آراستہ کرنے کی سعادت حاصل کر رہی ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ بلاشبہ آٹھویں صدی ہجری کے مجدد و مجتہد، قرآن و سنت کے بے باک ترجمان اور ہمہ گیر مصلح اور داعی تھے، ضرورت اس امر کی ہے کہ آپ کے تجدیدی و اصلاحی کام سے استفادہ کے لئے آپ کی بلند پایہ کتب کو اردو کے قالب میں پیش کیا جائے۔ **طارق اکیڈمی** اس کے لئے مقدور بھر کوشش کر کے اپنے قارئین کرام کے لئے اس عظیم المرتبت عبقری شخصیت کے افکار سے استفادہ کے مواقع فراہم کرتی رہے گی۔ (انشاء اللہ)

وَمَا تَوفِیقِی اِلَّا بِاللّٰہِ!

محمد خالد سیف (نگران)

طارق اکیڈمی فیصل آباد

5 جولائی 23 ربیع الثانی 2002ء

سوال

اس مسئلہ میں علمائے دین کیا فرماتے ہیں کہ اصحابِ صفہ کی تعداد کتنی تھی؟ مکہ میں تھے یا مدینہ میں؟ کس مقام پر رہتے تھے؟ سب ہمیشہ اپنی جگہ پر ہی رہتے تھے اور بجز حوائج ضروریہ کے کسی اور کام کے لیے نہ نکلتے تھے یا ان میں سے بعض صفہ میں بیٹھتے تھے اور بعض تلاش معاش میں نکلا کرتے تھے؟ ان کی گزر بسر کیسے ہوتی تھی، آیا محنت مشقت کرتے تھے یا جھولی پھیلا کر بھیک مانگتے پھرتے تھے؟

اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو کہتا ہے کہ اصحابِ صفہ نے مشرکین کی طرف سے مومنین سے جنگ کی؟ اور یہ کہ وہ ابوبکر، عمر، عثمان، علی، بقیہ عشرہ مبشرہ اور جملہ صحابہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) سے افضل ہیں؟ کیا اس زمانہ میں لوگ اصحابِ صفہ سے منتیں مانتے تھے؟ کیا اصحابِ صفہ نے کبھی دف یا دیگر آلاتِ موسیقی پر وجد کیا؟ کیا ان کا کوئی خاص حادی (گویّا یا قوال) تھا جس کی آواز پر وہ تالیاں بجا بجا کر حرکت کرتے اور ناچتے تھے۔

اس آیت کے بارے میں کیا رائے ہے:

﴿وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَدٰوۃِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْھَہٗ﴾ (الکھف:۲۸)

ان لوگوں کے ساتھ برابر رہو جو صبح شام اپنے رب کو پکارتے اور اسی کی مرضی چاہتے ہیں۔

آیا آیت عام ہے یا صرف اصحابِ صفہ رضی اللہ عنہم کے حق میں نازل ہوئی ہے؟

کیا یہ حدیث صحیح ہے جو عوام کی زبانوں پر ہے کہ:

مَا مِنْ جَمَاعَةٍ يَجْتَمِعُوْنَ اِلَّا وَ فِيْهِمْ وَلِيٌّ لِلّٰهِ لَا النَّاسَ يَعْرِفُه' وَلَا الْوَلِيُّ يَعْرِفُ اِنَّه' وَلِيٌّ ۔

کیا اولیاء اللہ کی حالت اہل علم سے پوشیدہ رہتی ہے؟ ولی کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟

ان فقراء سے کون لوگ مراد ہیں جو اغنیاء سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے اور وہ فقراء کون ہیں جن سے سلوک طے کرنے کا اللہ اور رسول نے حکم دیا ہے؟ آیا وہی لوگ ہیں جو فقر و فاقہ میں مبتلا ہیں اور اپنی روزی نہیں رکھتے یا کوئی اور؟

ابدال کے بارے میں جو حدیث مروی ہے کیا وہ صحیح ہے؟ کیا ابدال صرف شام میں ہوں گے یا ہر اس جگہ جہاں کتاب و سنت کے مطابق شعائر اسلام قائم ہوں عام اس سے کہ شام ہو یا کوئی اور ملک؟

کیا یہ صحیح ہے کہ ولی مجلس میں بیٹھے بیٹھے نظروں سے اچانک غائب اور اپنے جسم کے ساتھ شام وغیرہ کسی ملک میں پہنچ جاتا ہے؟

ان اسماء والقاب کی بابت علماء کی کیا رائے ہے جو نیک اور صالح لوگوں کو دیئے جاتے ہیں مثلاً کہتے ہیں، فلاں ''غوث الاغواث'' ہے۔ ''قطب الاقطاب'' ہے۔ ''قطبِ عالم'' ہے۔ ''قطب کبیر'' ہے۔ ''خاتم الاولیاء'' ہے۔

نیز اس قلندریہ فرقہ کے متعلق کیا فتویٰ ہے جو داڑھیاں منڈاتا ہے؟ اس کی حقیقت کیا ہے؟ کس گروہ میں شمار ہوتا ہے؟ اس کا یہ اعتقاد کیسا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے سرکردہ اور شیخ قلندر کو انگور کھلائے اور اس سے عجمی زبان میں گفتگو کی؟ کیا اللہ پر ایمان رکھنے والے مسلمان کے لیے جائز ہے کہ بازاروں اور دیہاتوں میں چلاتا پھرے کہ ''کس کے پاس فلاں شیخ یا قبر کی نذر او رمنت ہے؟'' اس کام میں مدد کرنا گناہ ہے یا نہیں؟

اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو کہتا ہے کہ ''سیدہ نفیسہ''* مرادوں کا دروازہ اور مخلوق و خالق کے مابین واسطہ ہیں' مصر کی محافظ ہیں؟ اور اس شخص کی بابت کیا رائے ہے جو کہتا ہے کہ مشائخ جب سیٹیاں اور تالیاں سننے کے لیے اٹھتے ہیں تو رجال الغیب (غیب کے آدمی) حاضر ہوتے ہیں اور دیواریں شق ہو جاتی ہیں۔ ملائکہ نازل ہوتے ہیں اور مشائخ کے ساتھ یا خود ان پر رقص کرتے ہیں اور بعض تو یہاں تک اعتقاد رکھتے ہیں کہ خود رسول اللہ ﷺ بھی تشریف لاتے اور ان کے ناچ میں شریک ہو جاتے ہیں؟ رجال الغیب کے کیا معنی ہیں؟

اور بعض لوگوں کا یہ کہنا کیسا ہے کہ ہم تاتاریوں کے روحانی محافظ ہیں؟ کیا تاتاریوں کے بھی محافظ ہوتے ہیں؟ اگر ہوتے ہیں تو کیا امت مسلمہ کے محافظوں کی طرح کفار کے محافظ بھی باطنی احوال اور قدرت و غلبہ رکھتے ہیں؟

یہ مزارات جو امیر المومنین علیؓ بن ابی طالب اور ان کے صاحبزادے امام حسین رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہیں حقیقی ہیں یا فرضی؟ حضرت علیؓ کی قبر کہاں ہے؟

جواب

حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ ''صفہ'' کہ جس کی طرف اصحاب صفہ منسوب ہیں، مسجد نبوی کے شمالی سرے پر واقع تھا، اس میں وہ غریب مسلمان پناہ لیتے تھے، جن کے پاس نہ اہل و عیال تھے اور نہ کوئی جائے پناہ تھی۔ تفصیل یہ ہے کہ جب مدینہ کے قبائل اوس و خزرج کے بہت سے سردار ایمان لا کر منیٰ میں بیعت العقبہ کر چکے اور اس طرح مسلمانوں کے لیے ایک مضبوط جائے پناہ بن گئی تو اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ اور مومنین کو ہجرت کا حکم دیا۔ چنانچہ مکہ اور دوسری جگہوں سے مسلمان جوق در جوق

---

* اہل بیت سے ہیں اور مصر میں مدفون ہیں۔

مدینہ کی طرف ہجرت کرنے لگے اور وہاں ان کی ایک بڑی جمعیت فراہم ہوگئی۔ اس وقت مدینہ میں مومنین سابقین دو قسم کے تھے' ایک مہاجرین جو اپنے مقامات سے ہجرت کر کے آئے تھے اور دوسرے انصار جو خود مدینہ کے اصلی باشندے تھے۔ بدوی اعراب وغیرہ جن مسلمانوں نے ہجرت نہیں کی تھی ان کا حکم دوسرا ہے۔ نیز کچھ مسلمان ایسے تھے جنھیں ان کے کافر سرداروں نے قید و بند میں ڈال کر ہجرت سے روک دیا تھا اور کچھ ایسے بھی تھے جو مغلوب ہو کر طاقت ور کفار کے ساتھ رہتے تھے۔ یہ تمام قسمیں قرآن میں مذکور ہیں اور ان کا حکم ان کے اشباہ ونظائر میں تا قیامت باقی و نافذ ہے۔ فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْۤا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ یُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَایَتِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ حَتّٰى یُهَاجِرُوْا ۚ وَ اِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ فَعَلَیْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍۭ بَیْنَكُمْ وَ بَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ○ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِی الْاَرْضِ وَ فَسَادٌ كَبِیْرٌ ؕ○ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْۤا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِیْمٌ ﴾ (انفال: ۷۲ تا ۷۴)

جو لوگ ایمان لائے، ہجرت کی، اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کیا اور جنھوں نے پناہ دی اور مدد دی وہ باہم دوست ہیں اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت نہ کی تم پر ان کی مدد بالکل نہیں۔ یہاں تک کہ ہجرت کریں اور اگر دین کے معاملے میں تم سے مدد خواہ ہوں تو تم پر انکی مدد لازم ہے۔ بجز ان لوگوں کے مقابلہ میں جن کے اور تمھارے مابین عہد

ہے اور جنھوں نے کفر کیا اور باہم دوست ہیں ۔ مسلمانو! اگر یہ کام نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد برپا ہو جائے گا۔ جو لوگ ایمان لائے، ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کیا اور وہ لوگ جنھوں نے پناہ دی اور مدد کی وہی سچے مومن ہیں۔ ان کے لیے مغفرت اور باعزت رزق ہے۔

اور یہ آخری آیت مومنین سابقین کے متعلق ہے، پھر ان لوگوں کا ذکر ہے جو قیامت تک ان کے پیچھے آنے والے ہیں ۔فرمایا:

﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ هَاجَرُوْا وَ جَاهَدُوْا معكُم فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ؕ وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِىْ كِتَابِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ﴾ (الانفال:۷۵)

اور جو بعد میں ایمان لائے اور ہجرت کی تمھارے ساتھ جہاد کیا وہ تم میں سے ہیں اور قرابت دار کتاب اللہ میں باہم نزدیک تر ہیں۔ اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے اور فرمایا:

﴿ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ .. الخ ﴾

(التوبة: ١٠٠)

مہاجرین و انصار میں سابقون اولون جنھوں نے نیکی کے ساتھ ان کی پیروی کی۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے۔

اور فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِىْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِى الْاَرْضِ ؕ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ؕ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَ سَآءَتْ

مَصِيْرًا ○ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ○ فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا﴿ (النسآء :۹۷تا۹۹)

جن لوگوں کی روح فرشتے اس حالت میں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے ہیں، فرشتے ان سے کہتے ہیں تم کس حالت میں تھے، وہ کہتے ہیں ہم زمین میں کمزور تھے، وہ کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم ہجرت کر جاتے؟ ایسے لوگوں کی جگہ جہنم ہے۔ بجز ناتواں مردوں اور عورتوں کے جو نہ کوئی حیلہ رکھتے ہیں، نہ راستہ۔ ایسے لوگوں کو شاید اللہ معاف کر دے اور اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے۔

ہجرت کرنے والے مسلمان دو قسم کے تھے۔ بعض اہل وعیال کے ساتھ آتے تھے اور بعض تن تنہا نکل کھڑے ہوتے تھے۔ انصار انھیں اپنے ہاں مہمان اتارتے تھے۔ کیوں کہ انھوں نے بیعت اسی بات پر کی تھی کہ مسلمانوں کو پناہ دیں گے اور ہر طرح کی ہمدردی کریں گے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ مہاجر آتا اور اس کی مہمانی پر باہم انصار میں جھگڑا ہو جاتا ہر کوئی اسے اپنے ساتھ لے جانا چاہتا۔ آخر قرعہ کے ذریعہ فیصلہ کیا جاتا تھا۔ نبی ﷺ نے مہاجرین وانصار میں اتحاد ومواخات قائم کر دی۔

مہاجرین کی تعداد بتدریج بڑھ رہی تھی، کیوں کہ اسلام برابر پھیل رہا تھا اور مخلوق دین الٰہی کی حلقہ بگوش ہوتی چلی جاتی تھی۔ نبی ﷺ کفار سے کبھی بذات خود جہاد کرتے اور کبھی مسلمانوں کی فوجیں بھیجتے تھے۔ اس سے بھی اسلام کو ترقی ہوتی تھی۔ بہت لوگ صدقِ دل سے ایمان لاتے تھے اور بہت سے اسلام کی بڑھتی ہوئی قوت سے مرعوب ہو کر ظاہرا مسلمان ہو جاتے تھے۔ اس طرح مدینہ میں مہاجرین کی کثرت ہو جاتی تھی جن میں امیر، غریب، صاحب عیال اور بے عیال سبھی قسم کے لوگ ہوتے تھے۔

اس صورت حال کا نتیجہ تھا کہ بعض کو رہنے کے لیے کوئی جگہ نہ ملتی تھی اور وہ مجبوراً اس صفہ میں پناہ لیتے تھے جو مسجد میں واقع تھا۔ تمام اہل صفہ ہمیشہ اکٹھا نہیں رہتے تھے۔ بعض شادی بیاہ کر کے الگ ہو جاتے اور گھر آباد کر لیتے تھے اور بعض زمانہ کی مساعدت کا بدستور انتظار کیا کرتے تھے۔ تمام اہلِ صفہ بیک وقت نہیں آئے تھے، بتدریج آئے تھے اور وقتاً فوقتاً کم زیادہ ہوتے رہتے تھے۔ چنانچہ کبھی دس یا اس سے بھی کم ہوتے اور کبھی بیس، تیس، چالیس، ساٹھ ستر تک پہنچ جاتے۔

اصحابِ صفہ (یعنی جنھوں نے مختلف زمانوں میں صفہ میں پناہ لی) کی مجموعی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں، چار سو تھے اور بعض اس سے کم بتاتے ہیں۔ شیخ ابو عبدالرحمن سلمی (متوفی ۴۱۲ھ) نے اپنی کتاب ''اہل صفہ'' میں ان کے اسماء و حالات جمع کیے ہیں۔ شیخ کونستا کو صوفیہ کے حالات، ان کے معتمد علیہ روایات اور ان کے ماثور اقوال جمع کرنے کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ انھوں نے بزرگان سلف خصوصاً ان تمام لوگوں کے حالات جمع کر دیئے ہیں جن کے متعلق انھیں معلوم ہوا کہ اصحابِ صفہ میں سے تھے۔ انھوں نے ایک نہایت عمدہ کتاب لکھی ہے جس میں بکثرت قیمتی فوائد ملتے ہیں۔ وہ خود بھی ایک دین دار اور صالح آدمی تھے۔ انھوں نے جو آثار روایت کیے ہیں ان میں بڑا حصہ صحیح ہے۔ لیکن کبھی ضعیف بلکہ موضوع آثار و احادیث بھی یہ جانتے ہوئے کہ وہ غلط ہیں روایت کر جاتے ہیں۔ بعض حفاظ حدیث نے ان کے سماع میں کلام [1] کیا ہے۔ اسی سبب سے بیہقیؒ جب ان سے روایت

---

[1] حافظ ذہبیؒ نے ان کی تضعیف کی ہے۔ ابن قطان کا قول ہے کہ وہ صوفیوں کے لیے حدیثیں بنایا کرتے تھے۔ ناظرین متعجب ہوں گے کہ ایسے جلیل القدر لوگ جان بوجھ کر کیوں حدیثیں بناتے تھے۔ وجہ یہ ہے کہ بہت سے علماء و صوفیہ ترہیب کے بارے میں یہ بات جائز سمجھتے تھے اور کہتے تھے اگر نیکی کی ترغیب اور بدی سے ترہیب کے لیے ایک جھوٹی حدیث سے کام نکلتا ہے تو اس میں کیا حرج ہے۔ مقصود ہدایت ہے۔ صحیح حدیث سے حاصل ہو یا ضعیف اور موضوع سے۔ یہی وجہ ہے کہ اس باب ==>

کرتے تھے تو کہتے تھے: حدثنا ابو عبدالرحمن من اصل سماعه لیکن ان جیسے صالحین کے بارے میں ان شاء اللہ تعالیٰ یہ شبہ نہیں کیا جا سکتا کہ قصداً کذب بیانی کی ہوگی بلکہ ہوتا یہ تھا کہ حفظ و مہارت کی کمی کے باعث روایت میں غلطی کر جاتے تھے۔ تمام ناسک و عابد علم میں ہم پلہ نہ تھے۔ بعض حدیث کے حافظ و ماہر تھے جیسے ثابت البنانی، فضیل بن عیاض وغیرہ اور بعض اس درجہ کے نہ تھے اور کمزوری کی وجہ سے روایت میں کبھی غلطی کر جاتے تھے جیسے مالک بن دینار، فرقد السنجی وغیرہ ابوعبدالرحمٰن کا بھی یہی حال تھا۔ چنانچہ متکلمین صوفیہ کے جو اقوال و آثار روایت کیے ہیں ان میں ایک بڑا حصہ علم و ہدایت کا ہے اور ایک حصہ غلط اور باطل ہے۔ یہی حال خود ان کے اپنے اجتہادات کا ہے۔ بعض قطعاً باطل ہیں اور بعض درست ہیں۔ چنانچہ امام جعفر صادق وغیرہ سے حقائق تفسیر میں جو کچھ نقل کیا ہے، موضوع ہے۔ اسی طرح اشارات کی قسم سے جو حصہ روایت کیا ہے اس میں بعض عمدہ امثال اور اچھے استدلال ہیں اور بعض بالکل لغو و باطل ہیں۔ غرض کہ شیخ ابوعبدالرحمٰنؒ نے اصحاب صفہ زہاد سلف اور طبقات صوفیہ کے سلسلہ میں جو کچھ جمع کیا ہے اس سے جہاں بہت سے فوائد حاصل کیے جا سکتے ہیں اس کی باطل روایتوں سے احتیاط و اجتناب بھی ضروری ہے۔ یہی حال تمام فقہاء زہاد اور متکلمین وغیرہ کی روایات و آراء و اذواق کا ہے۔ طالب حق کو چاہیے کہ ان میں سے وہ چیزیں چن لے جن میں علم و ہدایت و حق ہے کہ جسے لے کر

=> میں بے شمار جھوٹی حدیثیں موجود ہیں اور واعظوں اور صوفیوں کی زبانوں پر رائج ہیں، لیکن اہل حق اس قسم کے جھوٹ کو بھی اگرچہ کیسے ہی اعلیٰ مقصد کے لیے کیوں نہ ہو، ناجائز بتاتے ہیں، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ: ''مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ'' جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولے تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں سمجھے۔'' ایسا شخص سمجھتا ہے کہ نعوذ باللہ دین میں یہ کمی رہ گئی تھی جسے وہ اپنی موضوع اور جھوٹی روایت کے ذریعہ پورا کرنا چاہتا ہے۔ اس کا یہ خیال آیت کریمہ ﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ.. ﴾ کے برخلاف ہے۔

خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ مبعوث ہوئے اور وہ چیزیں چھوڑ دے جن کی بنیاد فاسد یا مشکوک آراء واذواق پر ہے کہ جن کی ان کے ہاں بڑی کثرت [1] ہے۔ لیکن وہ بزرگ جنھیں امت میں لسان صدق کا مرتبہ ملا ہے جن کی مدح وثنا تمام زبانوں پر ہے۔ تو وہ ائمہ ہدیٰ اور مصابیح وحی ہیں۔ ان کی غلطیاں ان کے حق وصواب کے مقابلہ میں کم ہیں اور جتنی بھی ہیں عموماً اجتہاد کی راہ سے ہیں کہ جن میں ان کے عذر مقبول ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو علم وعدل کی صراط مستقیم پر گامزن ہیں۔ ظلم وجہل سے اتباعِ ظن سے اور ہواءِ نفس کی پیروی سے کوسوں دور ہیں۔

کیا اصحاب صفہ بھیک مانگتے تھے

اصحاب صفہ اور دوسرے غریب مسلمانوں کی بابت وہی حکم ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں صاف صاف دے دیا ہے کہ مستحق صدقہ اور مستحق فئے کون لوگ ہیں۔ فرمایا:

﴿ اِنۡ تُبۡدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِىَ‌ۚ وَاِنۡ تُخۡفُوۡهَا وَتُؤۡتُوۡهَا الۡفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيۡرٌ لَّـكُمۡ‌ؕ وَيُكَفِّرُ عَنۡكُمۡ مِّنۡ سَيِّاٰتِكُمۡ‌ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ ○ لَيۡسَ عَلَيۡكَ هُدٰٮهُمۡ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ يَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ ‌ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ فَلِاَنۡفُسِكُمۡ‌ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡنَ اِلَّا ابۡتِغَآءَ وَجۡهِ اللّٰهِ‌ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ يُّوَفَّ اِلَيۡكُمۡ وَاَنۡتُمۡ لَا تُظۡلَمُوۡنَ ○ لِلۡفُقَرَآءِ الَّذِيۡنَ اُحۡصِرُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ لَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ ضَرۡبًا فِى الۡاَرۡضِ يَحۡسَبُهُمُ الۡجَاهِلُ اَغۡنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ‌ۚ

---

[1] ممکن ہے کہا جائے ہم عوام ایسی کتابوں میں حق وباطل کی شناخت کیوں کر کریں۔ عذر معقول ہے، لیکن ایسے لوگوں کے لیے بہترین مشورہ یہ ہے کہ اس قسم کی کتابوں ہی سے پرہیز کریں۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ میں پوری ہدایت موجود ہے۔ قرآن نے تمام کتابوں سے بے نیاز کر دیا ہے۔

تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمَاهُمْ ۚ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ﴾

(البقرہ: ۲۷۱،۲۷۲)

اگر تم اپنی خیرات ظاہر کرو تو اچھا ہے اور اگر اسے چھپاؤ اور فقیروں کو دے دو تو یہ تمھارے لیے بہتر ہے اور دور کرے گا تمھاری برائیاں اور اللہ تمھارے تمام اعمال سے باخبر ہے (اے محمد ﷺ) تم ان لوگوں کی ہدایت کے ذمہ دار نہیں ہو، بلکہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے، ہدایت دیتا ہے اور جو کچھ مال تم خرچ کرو تمھارے اپنے لیے ہے اور نہ خرچ کرو مگر رضاالٰہی کے واسطے اور جو کچھ مال خرچ کرو گے تمھیں پورا مل جائے گا اور تم پر ظلم نہ ہوگا۔ خیرات ان فقیروں کے لیے ہے جو اللہ کی راہ میں چلنے کی وجہ سے بند کئے گئے ہیں، زمین پر چل پھر نہیں سکتے ان کی خوداری کی وجہ سے جاہل مال دار خیال کرتا ہے، تم انھیں ان کے چہرے سے پہچان لوگے۔ وہ لوگوں سے اصرار کر کے نہیں مانگتے۔

اور فرمایا:

﴿ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا وَّ يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴾ (الحشر: ۸)

(مال فیٔ) ان فقراء مہاجرین کے لیے ہے جو اپنے گھر بار سے نکال دیئے گئے ہیں۔ اللہ کا فضل و رضامندی چاہتے ہیں اور مدد دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو یہی لوگ سچے ہیں۔

اصحاب صفہ اور دوسرے غریب مسلمان اگر حالات مساعد پاتے تو ضرور کسبِ معیشت کرتے تھے اور اس سے اس چیز میں کوئی خلل نہ پڑتا تھا جو اللہ کی نظر میں کسب سے زیادہ محبوب ہے لیکن اگر اللہ کی راہ میں چلنے کی وجہ سے معیشت کے تمام

دروازے بند پاتے اور باوجود کوشش کے مجبور ہو جاتے تو پھر وہ کرتے تھے جس سے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی قربت حاصل ہو۔

اصحابِ صفہ اسلام کے مہمان تھے۔ نبی ﷺ کے گھر میں جو کچھ میسر ہوتا انھیں بھیج دیا جاتا کیوں کہ وہ اکثر اوقات غریب ہوتے اور اتنا نہ رکھتے تھے کہ اپنی روزی پیدا کرسکیں۔ رہا لوگوں کے سامنے دستِ سوال دراز کرنا تو اس بارے میں ان کا طریقہ وہی تھا۔ جس پر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کی تربیت کی تھی۔ یعنی مستغنی کے لیے سوال حرام [1] قرار دے دیا تھا اِلاَّ یہ کہ اپنا حق مانگے۔ مثلاً حاکم سے سوال کرے کہ اللہ کے مال میں سے میرا حق دلاؤ۔ رہا محتاج تو اگر کوئی چارہ کار باقی نہ رہے تو اجازت دی ہے کہ صالحین اور مال داروں سے سوال کرے بشرطِ کہ احتیاج واقعی ہو۔ اس باب میں سنت یہ تھی کہ آپ نے اپنے خواص اصحابؓ کو سوال کرنے سے بالکل منع کر دیا تھا۔ حتیٰ کہ ان میں سے اگر کسی کے ہاتھ سے درہ گر جاتا تھا تو کسی سے نہ کہتا تھا: ''اٹھادو'' اس سلسلہ میں بکثرت احادیث و آثار و اقوال علما موجود ہیں جن کی تفصیل کا یہ فتویٰ متحمل نہیں۔ مثلاً آپ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا:

مَا اَتَاکَ مِنْ هٰذَا الْمَالِ وَاَنْتَ غَيْرُ سَائِلٍ لَّه‘ وَ لَا مُشْرِفٍ فَخُذْهُ وَاِلَّا فَلَا تُتْبِعْه‘ نَفْسَكَ۔ [2]

جو مال تمھارے پاس اس طرح آئے کہ نہ تم نے اسے مانگا، نہ اس کے لیے للچائے تو لے لو جو اس طرح سے نہ ہو اس کا خیال نہ کرو۔

اور فرمایا:

---

[1] سوال سے صرف یہی مطلب نہیں ہے کہ زبان سے یا ہاتھ سے مانگا جائے بلکہ اپنی ایسی وضع بنانا یا ایسی زندگی اختیار کرنا کہ جسے دیکھ کر لوگ خواہ مخواہ دیں۔ سوال میں داخل ہے جیسا کہ بہت سے نام نہاد فقراء و مشائخ کرتے ہیں اور ''نذر'' کے نام سے مسلمانوں کا روپیہ ناجائز طور پر لیتے ہیں۔ کاش کہ وہ جانیں کہ یہ ''حرام'' ہے اور اللہ کی نظر میں بہت مکروہ ہے۔

[2] صحیحین وغیرہ

مَنْ يَسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللّٰهُ وَ مَنْ يَسْتَعْفِفْ يُعِفَّهُ اللّٰهُ وَ مَنْ يَتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ اللّٰهُ وَ مَا اُعْطِيَ اَحَدٌ عَطَاءً خَيْرًا وَّ اَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ۔ ❶

جو استغنا چاہتا ہے اللہ اسے مستغنی کرے گا جو سوال سے بچنا چاہتا ہے اللہ اسے بچائے گا۔ جو صبر کرنا چاہتا ہے اللہ اسے صبر دے گا۔ صبر سے بڑا عطیہ کسی کو نہیں ملا۔

اور فرمایا:

وَمَنْ سَأَلَ النَّاسَ وَ لَهٗ يُغْنِيْهِ جَاءَتْ مَسْئَلَتُهٗ خُدُوْشًا (اَوْخُمُوْشًا اَوْ كُدُوْشًا) فِيْ وَجْهِهٖ۔ ❷

جس نے لوگوں سے اس حالت میں سوال کیا کہ اس کے پاس ضرورت بھر کا ہے، تو اس کا یہ سوال (قیامت کے دن) اس کے چہرے پر خراش بن کر ظاہر ہوگا۔

اور فرمایا:

لَاَنْ يَأْخُذَ اَحَدُكُمْ حَبْلَهٗ فَيَذْهَبَ لَيَحْتَطِبَ خَيْرٌلَّهٗ مِنْ اَنْ يَسْئَلَ النَّاسَ اَعْطَوْهُ اَمْ مَنَعُوْهُ۔ ❸

اگر تم اپنی رسی لے کر جاؤ اور لکڑی چن لاؤ تو یہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ لوگوں سے مانگو۔ دیں یا نہ دیں۔

رہی یہ بات کہ کس قدر مانگنا جائز ہے تو خود اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ وخضر

---

❶ صحیحین

❷ احمد اور اصحاب سنن نے روایت کی ہے اس میں "غنی" کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ پچاس درہم پاس ہوں گو موجود زمانہ میں یہ رقم مستغنی نہیں کر سکتی۔ کیوں کہ ضروریات بہت ہیں اور گراں ہیں۔ تاہم اس وقت بھی ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ کتنی رقم ہونے کی صورت میں انسان دوسروں سے مستغنی ہو سکتا ہے۔

❸ صحیح البخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب الإستعفاف عن المسئلة، حدیث: ۱۴۷۰، ۱۴۷۱ نیز ملاحظہ فرمائیں، حدیث: ۲۰۷۴، ۲۰۷۵۔

کے قصہ میں بتا دیا ہے کہ دونوں ایک آبادی میں پہنچے اور کھانا مانگا۔
نبی ﷺ نے اس کی مزید تشریح فرمادی ہے کہ:

لاَ تَحِلُّ الْمَسْئَلَةُ اِلَّا لِذِی اَلَمٍ مُوْجِعٍ اَوْ عَزْمٍ مُفْظِعٍ اَوْ فَقْرٍ مُدْقِعٍ۔ [1]

سوال صرف اس شخص کے لیے جائز ہے جسے کوئی سخت بیماری ہو یا جس پر بھاری قرض ہو یا فاقہ کشی میں مبتلا ہو۔

اور جیسا کہ قبیصہ بن مخارق الہلالی سے فرمایا:

یَا قَبِیْصَةُ لاَ تَحِلُّ الْمَسْئَلَةُ اِلَّا لِثَلاَثَةٍ: رَجُلٌ اَصَابَتْهُ جَائِحَةٌ اِجْتَاحَتْ مَالَه، فَسَأَلَ حَتّٰی یَجِدَ سَدَادًا مِنْ عَیْشٍ ثُمَّ یُمْسِکُ وَ رَجُلٌ تَحَمَّلَ حَمَالَةً فَیَسْأَلُ حَتّٰی یَجِدَ ثُمَّ یُمْسِکُ وَ مَا سِوٰی ذٰلِکَ مِنَ الْمَسْئَلَةِ فَاِنَّمَا هُوَ سُحْتٌ اَکَلَه، صَاحِبُه، سُحْتًا۔ [2]

اے قبیصہ سوال صرف تین شخصوں کے لیے جائز ہے۔ جس کے مال کو کسی آفت نے نازل ہو کر تباہ کر ڈالا اور اس نے سوال کیا یہاں تک کہ روزی مل گئی۔ پھر رک گیا اور وہ شخص جس پر بار ہے۔ بس اس نے سوال کیا یہاں تک کہ بار اتر گیا۔ پھر رک گیا۔ اس کے علاوہ جو سوال ہے حرام ہے اور سوال کرنے والا حرام کھاتا ہے۔

رہی بھیک اور دریوزہ گری تو نہ صحابہؓ میں اور نہ اہل صفہ میں اور نہ سلف میں کسی اور کا یہ پیشہ تھا کہ زنبیل یا جھولی لے کر در بدر بھیک مانگے، اس پر اکتفا کر کے بیٹھ

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الزکوٰۃ، باب ما تجوز فیہ المسئلۃ، حدیث: ۱۶۴۱، سنن الترمذی، ابواب الزکوٰۃ، باب ما جآء من لا تحل لہ الصدقۃ، حدیث: ۶۵۳۔

[2] صحیح مسلم ۲/ ۷۲۲

جائے اور دوسرے راستہ سے رزق پیدا نہ کرے۔اسی طرح کوئی صحابی ایسا نہ تھا جو زائد مال رکھتا ہو اور زکوٰۃ ادا نہ کرتا ہو یا اپنا مال اللہ کی راہ میں اور مسلمانوں کی ضرورتوں میں خرچ کرنے سے جی چراتا ہو۔

اللہ کی راہ میں بخل ادائے حقوق میں تساہل، حدود اللہ سے تجاوز، یہ ظالموں کی صفات ہیں۔صحابہ ان سے بالکل پاک تھے۔ان کی تو وہ شان کہ جو رب العزت نے قرآن میں تعریف کی ہے کہ ''رَضِیَ اللهُ عَنۡهُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡهُ'' اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ (صحابہؓ) اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے۔

کیا اصحاب صفہ نے مسلمانوں سے جنگ کی؟

جو شخص یہ کہے کہ صحابہ، عام اس سے کہ اصحاب صفہ ہوں یا کوئی اور یا تابعین یا تبع تابعین میں سے کسی شخص نے بھی کفار کی حمایت کی اور ان کی طرف ہو کر رسول اللہ ﷺ یا آپ کے اصحاب سے جنگ کی یا اسے جائز سمجھا یا خود یہ خیال کرتا ہو کہ اس طرح کی جنگ جائز ہے تو وہ شخص کج رو ہے، گمراہ ہے، بلکہ کافر ہے اس سے توبہ کرانا واجب ہے، اگر انکار کرے تو اس کا قتل ضروری ہے۔

﴿ وَمَنۡ يُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الۡهُدٰى وَ يَتَّبِعۡ غَيۡرَ سَبِيۡلِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصۡلِهٖ جَهَنَّمَ‌ؕ وَ سَآءَتۡ مَصِيۡرًا﴾

(النسآء:۱۱۵)

ہدایت جان لینے کے بعد جو کوئی رسول ﷺ سے مخالفت کرے اور مسلمانوں کے علاوہ دوسرا راستہ اختیار کرے ہم اسے ادھر متوجہ کریں گے جدھر متوجہ ہوا ہے اور اسے دوزخ میں ڈالیں گے اور دوزخ برا ٹھکانا ہے۔

اصحاب صفہ اور ان کے امثال ''قراء'' کہ جن کے قاتلوں پر نبی ﷺ نے قنوت میں بددعا کی صحابہ ؓمیں اعظم ترین ایمان والے، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد کرنے والے، اللہ اور اس کے حبیب ﷺ کی نصرت میں مر مٹنے والے لوگ تھے۔خود

اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا ہے:

﴿ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ط اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴾ (الحشر: ۸)

(مال فیٔ) ان فقراء مہاجرین کے لیے ہے جو اپنے گھر بار سے نکال دیئے گئے ہیں، اللہ کا فضل و رضامندی چاہتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، وہی لوگ سچے ہیں۔

اور فرمایا:

﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ط وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا ز سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ط ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ج وَ مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ج كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ط ﴾ (الفتح: ۲۹)

محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو ان کے ساتھ ہیں، کفار پر سخت ہیں اور آپس میں رحم دل ہیں۔ انھیں رکوع و سجود کرنے والا پاتے ہیں۔ ان کی علامت سجدہ کے اثر سے ان کے چہروں پر ہے۔ ان کی یہی صفت تورات و انجیل میں ہے مثل کھیتی کے جس نے اپنی سوئی نکالی، پھر قوی کی، پھر موٹی ہوئی، پھر اپنی جڑ پر قائم ہوگئی۔ اچھی لگتی ہے کھیتی کرنے والوں کو تاکہ ان کے (مسلمانوں کے) ذریعہ کفار کو غصہ دلائے۔

اور فرمایا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ

بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ ۫ یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ﴾

(المآئدة:۵۴)

اے وہ جو ایمان لائے، تم میں سے جو اپنے دین سے پھر جائے گا تو اللہ ایک ایسی قوم لائے گا جس سے اسے محبت ہوگی اور جو اس سے محبت کریں گے مومنین پر نرم اور کافروں پر سخت ہوں گے۔ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔

نبی ﷺ نے متعدد غزوات میں شرکت کی جن میں سے نو میں لڑائی ہوئی۔ مثلاً بدر، احد، خندق، حنین۔ بدر میں اللہ نے مسلمانوں کو باوجود کمزور ہونے کے فتح یاب کیا۔ احد میں مغلوب ہوئے حنین میں پہلے شکست کھائی پھر لوٹے تو مظفر و منصور لوٹے۔ خندق میں محصور ہوئے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنی قدرت سے بغیر کسی بڑی جنگ کے دشمنوں کو پراگندہ کیا۔ تمام جنگوں میں مومنین جن میں اصحاب صفہ اور دوسرے صحابہ بھی ہیں، نبی ﷺ کے ساتھ ہوتے تھے۔ انھوں نے ایمان کے بعد کفر و کفار کی طرف سے کبھی بھی جنگ نہیں کی اس کے خلاف سمجھنا اور کہنا سخت گمراہی ہے۔

اصل یہ ہے کہ اس طرح کی باتیں کہنے والے مومن، منافق ہیں منافقوں کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ ہیں جو اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں اور ان میں زہد و عبادت بھی پائی جاتی ہے مگر ساتھ ہی اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ تک پہنچنے کا راستہ ایمان و اتباع رسول کے علاوہ ہے اور کہتے ہیں کہ اولیاء میں سے ایسے لوگ بھی ہیں جو رسول کی پیروی سے بے نیاز ہیں جس طرح خضر، حضرت موسیٰ کی پیروی سے بے نیاز تھے۔ ان میں ایسے منافق بھی ہیں جو اپنے شیخ یا عالم یا بادشاہ کو نبی ﷺ پر علی الاطلاق یا بعض وجوہ سے فضیلت دیتے ہیں۔ یہ لوگ درحقیقت کافر ہیں اور قیامِ حجت کے بعد ان کا قتل واجب

ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو تمام جہان کے لیے مبعوث کیا۔ عام اس سے کہ جن ہوں یا انس، زاہد ہوں یا بادشاہ۔ غرض کوئی بھی آپ کی پیروی سے مستغنی نہیں۔ رہا موسیٰؑ اور خضرؑ کا مغالطہ تو چوں کہ حضرت موسیٰؑ اپنی قوم کے لیے رسول تھے اس لیے خضر پر ان کی اتباع واجب نہ تھی، چنانچہ انھوں نے ان سے صاف کہہ دیا تھا:

اِنِّیْ عَلٰی عِلْمٍ مِنَ اللہِ عَلَّمَنِیْهُ اللہُ لَا تَعْلَمُهٗ وَ اَنْتَ عَلٰی عِلْمٍ مِّنَ اللہِ عَلَّمَكَهُ اللہُ لَا اَعْلَمُهٗ۔ (بخاری)

مجھے اللہ کی طرف سے ایک علم ملا ہے اس نے مجھے سکھایا ہے اور تم اسے نہیں جانتے (اسی طرح) تمھیں اللہ کی طرف سے ایک علم ملا ہے جو اس نے تمھیں سکھایا ہے اور میں نہیں جانتا۔

لیکن حضرت محمد ﷺ کی حیثیت یہ نہ تھی، آپ کسی خاص گروہ یا قوم کی رہبری کے لیے نہیں بلکہ تمام دنیا کے لیے آفتابِ ہدایت بنا کر بھیجے گئے تھے۔ چنانچہ فرمایا:

وَ كَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ اِلٰى قَوْمِهٖ خَاصَّةً وَبُعِثْتُ اِلَى النَّاسِ عَامَّةً۔ [1]

نبی خاص اپنی قوم کے لیے بھیجا جاتا تھا لیکن میں تمام لوگوں کے لیے بھیجا گیا ہوں۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ۨ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ﴾ (الاعراف:۱۵۸)

کہہ دو، اے لوگو! میں تم سب کے لیے اللہ کا رسول ہوں (وہ اللہ) جسے آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہت حاصل ہے۔

اور فرمایا:

---

[1] صحیح البخاری ج ۱ ص ۹۲، ۱۱۹، السنن الکبری للبیھقی ج ۱ ص ۲۱۲.

﴿ وَ مَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیۡرًا وَّ نَذِیۡرًا ﴾(سبا:۲۸)
ہم نے تجھے تمام لوگوں کے لیے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

دوسری قسم کے منافق وہ ہیں جو کہتے ہیں اللہ کو تمام مخلوق رب اور پروردگار مانتی ہے، دینِ الٰہی موافقت قدر کے سوا اور کچھ نہیں، بت پرستی و خدا پرستی، شرک و خلوص عبادت، رجوع الی ماسوی اللہ اور حنیفیت، انبیاء وصحف سماویہ پر ایمان اور ان سے کفر واعراض سب برابر ہیں۔ یہ منافق ان لوگوں کو جو ایمان لائے، عملِ صالح پر کاربند رہے اور ان لوگوں کو جنھوں نے کفر کیا اور زمین کو فساد سے بھر دیا یکساں سمجھتے ہیں۔ان کے نزدیک متقین وفجار اور مسلمین ومجرمین ایک ہیں، وہ ایمان وتقویٰ اور عمل صالح وحسنات کو بمنزلہ کفر وعصیان کے قرار دیتے ہیں۔اہل جنت کو مثل اہل جہنم کے، اولیاء اللہ کو مثل اعداء اللہ کے سمجھتے ہیں۔پھر اسے کبھی رضا بالقدر قرار دیتے ہیں اور کبھی توحید وحقیقت بتاتے ہیں۔ان کی گمراہی کی بنیاد اس بڑی گمراہی پر ہے کہ اللہ کے ہاں جو چیز مطلوب ہے وہ توحید ربوبیت ہے کہ جس سے کسی مخلوق کو بھی انکار نہیں، مومنین بھی اس پر ایمان رکھتے ہیں اور مشرکین بھی اس کا اقرار کرتے ہیں، بنابریں توحید ربوبیت، حقیقت کونیہ ہے جس کے تسلیم کر لینے کے بعد سب ہم درجہ ہو جاتے ہیں، لیکن اصل یہ ہے کہ یہ گمراہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کی بابت خبر دی گئی ہے:

﴿ وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّعۡبُدُ اللّٰہَ عَلٰی حَرۡفٍ ۚ فَاِنۡ اَصَابَہٗ خَیۡرُۨ اطۡمَاَنَّ بِہٖ ۚ وَ اِنۡ اَصَابَتۡہُ فِتۡنَۃُۨ انۡقَلَبَ عَلٰی وَجۡہِہٖ ۚ۟ خَسِرَ الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃَ ؕ ﴾ (الحج: ۱۱)

بعض لوگ ایسے ہیں جو ایک کنارے پر اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔اگر اس سے فائدہ حاصل ہوتا ہے مطمئن ہوتے ہیں اگر امتحان میں پڑتے ہیں، الٹے پھر جاتے ہیں۔ان کی دنیا وآخرت دونوں ضائع ہوئے۔

اوران کے غلاۃ تو اس میں یہاں تک غلو کرتے ہیں کہ کفار کے قتال کو قتال اللہ قرار دیتے ہیں اور کفار و فجار اور بتوں کو خود ذات الٰہی میں سے بتاتے اور کہتے ہیں: ''اس کے وجود میں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں جو کچھ ہے وہی وہ ہے۔'' یعنی جتنی بھی مصنوعات ہیں سب صانع ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں:

﴿ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَ لَآ اٰبَآؤُنَا وَ لَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ﴾

(الانعام:۱۴۸)

اگر اللہ چاہتا نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے بزرگ، اور نہ کسی چیز سے محروم ہوتے۔

اور کہتے ہیں:

﴿ اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗۤ ﴾ (یٰس: ۴۷)

کیا ہم اسے کھلائیں جسے اگر اللہ چاہتا تو ضرور کھلاتا۔

وغیرہ اقوال وافعال جو یہود و نصاریٰ بلکہ مشرکین و مجوس اور جملہ کفار کے اقوال وافعال سے بھی بدتر ہیں، بلکہ وہ فرعون و دجال وغیرہ کے اقوال وافعال کی جنس سے ہیں، جو رب السمٰوات والارض اور رب العالمین کا انکار کرتے ہیں یا کہتے ہیں: ''ہم ہی اللہ ہیں یا اللہ ہم میں حلول کیے ہوئے ہے۔''

یہ لوگ کتنا ہی ادعائے اسلام کریں درحقیقت اسلام کی اصل الاصول یعنی شہادت '' لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ '' کے منکر ہیں کیوں کہ جو توحید مطلوب و واجب ہے یہی ہے کہ صرف اللہ واحد کی پرستش کی جائے اور کسی چیز کو بھی اس کے ساتھ شریک نہ کیا جائے، نہ اس کی الوہیت میں، نہ اس کی ربوبیت میں، رہی محض توحید ربوبیت یعنی یہ اقرار کہ اللہ ہر چیز کا خالق ہے، تو مشرکین بھی اس کے قائل تھے لیکن باوجود توحید ربوبیت پر ہونے کے مشرک قرار دیئے گئے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿ وَ مَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَ هُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴾

(یوسف: ۱۰۶)

ان میں سے اکثر شرک کرتے ہوئے بھی اللہ پر ایمان لاتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں: ان سے پوچھو آسمان و زمین کس نے پیدا کیے، کہہ دیں گے اللہ نے، لیکن اس پر بھی غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَلَئِنْ سَئَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ﴾

(الزمر:۳۸)

اگر ان سے پوچھو کہ کس نے آسمان و زمین پیدا کیے، کہہ دیں گے اللہ نے۔

﴿قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهَا اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ o سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ o قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ o سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ o قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّ هُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ o سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ﴾

(المؤمنون:۸۴تا ۸۹)

پوچھو، زمین اور جو کچھ اس زمین میں ہے کس کا ہے؟ کہہ دیں گے اللہ کا۔۔۔۔ پوچھو، ساتوں آسمانوں کا اور عرش عظیم کا رب کون ہے؟ کہہ دیں گے اللہ۔۔۔۔ پوچھو کس کے ہاتھ میں ہر چیز کا قبضہ ہے اور پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں پناہ نہیں دی جاتی۔۔۔۔ کہہ دیں گے اللہ۔

پس کفار و مشرکین بھی اقرار کرتے ہیں کہ اللہ ہی آسمانوں، زمینوں اور تمام کائنات کا خالق ہے۔ کفار میں کوئی ایک بھی نہیں جس نے اللہ کی ذات وصفات وافعال میں کسی دوسرے کو اس کا بالکل مساوی شریک گردانا ہو۔ چنانچہ آتش پرست، مجوس، حضرت عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا ماننے والے، نصاریٰ، ستاروں اور فرشتوں کے پرستار، صابی،

انبیاء وصالحین کی پوجا کرنے والے جاہل، بتوں اور قبروں پر جھکنے والے، غافل کوئی بھی نہیں جو غیر اللہ کو بہمہ وجوہ اللہ کا ہم پلہ، شریک مانتا ہو، بلکہ باوجود اپنے کفر وشرک کی مختلف شکلوں کے سب کے سب رب العزت کا اقرار کرتے اور اس کی ذات وصفات و افعال میں کسی کو بالکل اس کا مثیل نہیں مانتے، لیکن اس پر بھی اللہ کی شریعت میں کافر و مشرک بتائے گئے ہیں کیوں کہ اگر ربوبیت میں نہیں تو الوہیت میں تو شرک کرتے ہیں اور اس کے ساتھ غیروں کو معبود ٹھہراتے ہیں، ان کی پرستش کرتے ہیں۔ انھیں شریک یا شفیع سمجھتے ہیں۔ یہ اس کی ربوبیت میں بھی دوسرے درجہ کا شرک کرتے ہیں۔ یعنی یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اس کائنات کا خدائے حیّ وقیوم کے علاوہ ایک اور رب اور پروردگار بھی ہے جو اللہ ہی کی مخلوق ہے اور اسی کی ربوبیت سے فیض یاب ہوتا ہے۔

لیکن رب السمٰوات والارض کو یہ شرک بھی منظور نہیں، اس کی مشیت وحکم یہی ہے کہ میری عبادت میں اور میری ربوبیت میں کسی کو شریک نہ بناؤ بلکہ تنہا میری ہی بے میل پرستش کرو۔ چنانچہ اپنے تمام نبیوں اور اپنی تمام کتابوں کے ذریعہ اس نے یہی پیغام اور حکم بھیجا ہے کہ صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کرو۔

فرمایا:

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلاَّ نُوْحِیٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلآَّ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴾ (الانبیآء:۲۵)

تم سے پہلے ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا کہ جس کو وحی نہ کی ہو کہ بجز میرے کوئی معبود نہیں۔ پس میری عبادت کرو۔

اور فرمایا:

﴿ وَاسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً یُّعْبَدُوْنَ ﴾ (الزخرف:۴۵)

اپنے پہلے رسولوں سے پوچھو کہ کیا ہم نے رحمان کے علاوہ اور معبود مقرر

کیے ہیں کہ جن کی عبادت کی جائے۔

اور فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَ مِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ۚ ﴾ (النحل:٣٦)

ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور شیطان سے اجتناب کرو۔ بس ان میں سے بعض کو اللہ نے ہدایت کی اور بعض پر گمراہی چھا گئی۔

اور فرمایا:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۚ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝ وَ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴾

(المومنون: ۵۱، ۵۲)

اے پیغمبرو! طیبات کھاؤ اور نیک کام کرو، میں تمھارے عمل سے واقف ہوں اور یہ تمھاری امت ایک ہی امت ہے اور میں تمھارا رب ہوں پس مجھ ہی سے ڈرو۔

یہ (یعنی توحید) اسلام کی پہلی اصل تھی، اس کے بعد ہی دوسری اصل ہے اور وہ تصدیق رسالت و اطاعت رسول ﷺ ہے۔ شروع سے لے کر آخر تک تمام انبیاء مثلاً نوح و ہود و صالح (علیہم السلام) سب نے آ کر یہی دعوت دی کہ:

﴿ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَ اَطِيْعُوْنِ ﴾ (نوح:۳)

اللہ کی عبادت کرو اس سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

پس جس کا یہ عقیدہ نہیں کہ محمد ﷺ کے رسول ہیں، تمام جہانوں کے لیے ہادی بنائے گئے ہیں۔ تمام مخلوق پر آپ کی اتباع و پیروی واجب کر دی گئی۔ حلال وہی ہے

جو آپ نے حلال کیا، حرام وہی ہے جسے آپ نے حرام بتایا۔ دین الٰہی وہی ہے جس کی آپ نے تبلیغ کی تو ایسا شخص کافر ہے اور منافقین و کفار کے زمرہ میں شامل ہے جو آپ کے دین و شریعت واطاعت سے سرکشی کو (اگر چہ کسی حیثیت سے ہو) جائز رکھتے اور دین اللہ کی تخریب میں کفار و فجار کی اعانت ونصرت روا جانتے ہیں۔

جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اصحاب صفہ نے رسول اللہ ﷺ سے قتال کیا یا کہا کہ ہم تو اللہ کے ساتھ ہیں اور جو کوئی اللہ کے ساتھ ہے، ہم بھی اسی کے ساتھ ہیں، تو وہ سراسر مفتری کذاب ہے۔ ان گمراہوں کی مراد امر الٰہی اور حقیقت دینیہ کو چھوڑ کر وہی حقیقت کونیہ ہے جس کی طرف ہم ابھی اشارہ کر چکے ہیں۔ اہل تصوف وفقر میں اس طرح کے استدلال کرنے والے وہی لوگ ہیں جو کفار و فجار سے ساز باز رکھتے ہیں' ان کی مدد کرتے ہیں، اپنی روح وقلب وتوجہ سے ان کی حفاظت کرتے ہیں، شریعتِ محمدیہ سے خروج اپنے لیے بالکل مباح سمجھتے ہیں اور پھر یہ اعتقاد و دعویٰ بھی رکھتے ہیں کہ ہم اولیاء اللہ ہیں۔ حالانکہ وہ از سرتاپا ضلالت و گمراہی کا مجسمہ ہیں۔ اگر چہ کتنے ہی زہد و عبادت کی نمائش کریں۔

اللہ تعالیٰ نے مومن کو مومن اور کافر کو کافر کا ولی ومددگار بنا دیا ہے۔ نبی ﷺ نے اسلام سے مرتد ہو جانے والوں سے قتال کا حکم دیا ہے حالانکہ ان کی عبادت و ریاضت کا یہ عالم تھا کہ خود ہی فرمادیا:

يَحْقِرُ اَحَدُكُمْ صَلاَتَهُ مَعَ صَلاَتِهِمْ وَ صِيَامَهُ مَعَ صِيَامِهِمْ وَقِرَاءَتَهُ مَعَ قِرَاءَتِهِمْ [1]

تم اپنی نماز ان کی نماز کے سامنے اور اپنا روزہ ان کے روزے کے سامنے اور اپنی تلاوت ان کی تلاوت کے سامنے حقیر جانو گے۔

---

[1] فتح الباری: ۱۲/۳۰۲، صحیح مسلم: ۲/۷۴۴

لیکن ان کی حقیقت کیا تھی؟

يَقْرَؤُنَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ يَمْرُقُوْنَ مِنَ الْإِسْلَامِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَةِ۔ [1]

قرآن پڑھیں گے مگر ان کے حلق سے آگے نہ بڑھے گا۔ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔

اس لیے حکم دیا:

اَيْنَمَا لَقِيْتُمُوْهُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ فَاِنَّ فِيْ قَتْلِهِمْ اَجْرًا عِنْدَ اللهِ لِمَنْ قَتَلَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَئِنْ اَدْرَكْتُهُمْ لَاَقْتُلَنَّهُمْ قَتْلَ عَادٍ۔ [2]

جہاں کہیں انھیں پاؤ قتل کرو کیوں کہ ان کے قتل میں قاتل کے لیے اللہ کے ہاں قیامت کے دن ثواب ہے۔ اگر میں نے ان کا زمانہ پایا تو انھیں قوم عاد کی طرح قتل کروں گا۔

چنانچہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب نے اس فرمان نبوی کی تعمیل کی، جب یہ گروہ ظاہر ہوا، شریعت محمدی، سنت نبوی اور جماعت امت مرحومہ سے باہر ہو گیا تو امیر المومنین نے تلوار اٹھائی اور مقاتلہ کیا۔ اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ شریعت میں ان لوگوں کا کیا حکم ہوگا جو اعتقاد رکھتے ہیں کہ مومنین کفار کی طرف سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تلوار چلاتے تھے۔

اسی طرح ان کذابوں کی یہ روایت بھی سراسر افترا ہے کہ اصحاب صفہ کو سب معلوم ہو گیا تھا، جو اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے معراج کی رات فرمایا تھا۔ حالانکہ بقول ان کے خدا نے تاکید کر دی تھی کہ اسے کسی پر ظاہر نہ کریں۔ مگر جب صبح ہوئی تو اصحاب صفہ میں اس کا چرچا پایا۔ اس پر آپ بہت کبیدہ ہوئے۔ مگر اللہ نے فرمایا: ہاں

---

[1] فتح الباری: ۱۲/ ۳۰۲، صحیح مسلم: ۲/ ۷۴۴ [2] ایضاً

میں نے تجھے اس کے اظہار کی ممانعت کی تھی لیکن خود میں نے جو تیرا خالق و معبود ہوں اسے اصحاب صفہ پر کھول دیا۔ یہ اور اس طرح کی تمام روایتیں سراسر کذب وافترا بلکہ کفر سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ اس سفید جھوٹ سے بڑھ کر بھی کوئی جھوٹ ہوگا کہ معراج کے قصہ میں یہ فرضی واقعہ اصحاب صفہ سے منسوب کر دیا گیا؟ معراج مکہ میں ہوئی تھی جہاں صفہ اور اصحاب صفہ کا وجود بھی نہ تھا۔ معراج مکہ میں ہونا مسلم ہے۔ خود قرآن میں ہے:

﴿سُبۡحَانَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ﴾ (الاسرآء: ۱)

پاک ہے وہ جو اپنے بندے کو ایک رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے گیا کہ جس کے گرد ہم نے برکت دی ہے۔

یہی حال ان گمراہوں کی اس جھوٹی روایت کا ہے جس میں حضرت عمرؓ کا یہ کہنا بیان کرتے ہیں کہ:

كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَتَحَدَّثُ هُوَ وَ اَبُوْبَكْرٍ وَ كُنْتُ كَالزَّنْجِیِّ بَیْنَهُمَا۔

نبی ﷺ اور ابو بکر باتیں کرتے تھے اور میں ان کے مابین زنگی کی طرح ہوتا تھا۔

★ (انتہائی اہم نوٹ صفحہ نمبر 84 پر)

حالانکہ یہ بھی ایک صریح بہتان ہے۔ پھر لطف یہ کہ ایک طرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد افضل الخلق تھے اس طرح ظاہر کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ اور یارِ غار کی گفتگو بالکل نہ سمجھ سکتے تھے، بلکہ ایک ان پڑھ، زنجی کی طرح بیٹھے ادھر ادھر دیکھا کرتے تھے اور دوسری طرف خود اپنے متعلق دعویٰ کرتے ہیں کہ باوجود غیر موجود ہونے کے انھوں نے وہ گفتگو سنی اور خوب سمجھ لی۔ پھر ان دجالوں میں سے ہر ایک دجال اپنی ضلالت و کفریات کو علم الاسرار و حقائق قرار دیتا اور اپنی ہوا و ہوس کے مطابق ان کی تفسیر و تشریح کرتا ہے، حالانکہ ان کفریات سے ان

کی اصل غرض یا تو عقیدہ وحدت الوجود کی اشاعت ہے یا تعطیلِ شریعت۔

یہی حال ان کفریہ دعوؤں کا بھی ہے جو نصیریہ، اسماعیلیہ، قرامطہ، باطنیہ اور حاکمیہ وغیرہ گمراہ فرقے کرتے تھے۔ وہ دین اسلام کے صریح خلاف ہیں اور انھیں حضرت علیؓ بن ابی طالب یا امام جعفر صادق ؒ وغیرہ ائمہ اہل بیت کی طرف منسوب کرنا صریح بہتان ہے۔

ائمہ اہل بیت اور دوسرے اولیاء اللہ پر اس قدر افترا پردازی کی رغبت ان دشمنان دین وشریعت کو اس وجہ سے ہوئی کہ اہل بیت کو چوں کہ رسول مقبول ﷺ سے قرابت نسبی اور اولیاء اللہ وصالحین کو قرابت اتصال واتباع حاصل ہے اور اس لیے وہ امت محمدیہ میں عام طور پر مقبول ومحترم ہیں، لہٰذا اپنی گمراہی وضلالت کو خوشنما ومقبول بنانے کے لیے انھوں نے ہر چیز ان لوگوں سے منسوب کردی، اور بہتوں نے ان کے معاملہ میں اس قدر غلو کیا کہ انھیں معبود بنادیا اور ان سے منسوب گمراہیوں کو کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ اجماع سلف صالح بلکہ خود اہل بیت واولیاء اللہ کے حقیقی اجماع پر ترجیح دے دی۔

کیا اصحاب صفہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل تھے؟

رہا اصحاب صفہ کو عشرہ مبشرہ اور دوسرے صحابہ پر فضیلت دینا تو سخت غلطی و گمراہی ہے۔ حق یہ ہے کہ اس امت میں اس کے نبی ﷺ کے بعد سب سے افضل ابوبکر رضی اللہ عنہ پھر عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں جیسا کہ خود امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب سے موقوفاً ومرفوعاً اور جیسا کہ کتاب وسنت اور اجماع سلف صالح وائمہ علم وسنت سے ثابت ہے۔ صاحبین کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا درجہ ہے۔ پھر بقیہ اہل شوریٰ: طلحہ بن عبیداللہ، زبیر بن العوام، سعد بن ابی وقاص، عبدالرحمن بن عوف اور ان کے ساتھ ابوعبیدہ بن الجراح امین ہذہ الامۃ اور سعید بن زید رضی اللہ عنہم کا درجہ ہے۔ یہی لوگ عشرہ مبشرہ ہیں اور ان کے حق میں جنت کی شہادت وبشارت موجود ہے۔

اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں صاف فرمادیا ہے:

﴿لَا يَسْتَوِي مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ ۚ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنفَقُوا مِن بَعْدُ وَقَاتَلُوا ۚ وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ﴾ (الحديد:١٠)

تم میں سے جنھوں نے فتح سے پہلے خرچ کیا اور لڑائی کی وہ زیادہ بڑے درجے والے ہیں، ان لوگوں سے جنھوں نے بعد میں خرچ کیا اور لڑائی کی اور ہر ایک سے اللہ نے بہتری کا وعدہ کیا ہے۔

اس آیت میں اللہ نے ان مومنین سابقین کو جنھوں نے فتح حدیبیہ سے پہلے جان و مال سے جہاد کی طرف پیش قدمی کی ان مومنین پر فضیلت دی ہے جو ان کے بعد آئے ہیں اور فرمایا:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ (الفتح:١٨)

البتہ اللہ مومنین سے راضی ہوا جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کرتے تھے۔

اور فرمایا:

﴿وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ﴾ (التوبہ:١٠٠)

مہاجرین و انصار میں سے سابقون الاولون اور جنھوں نے ان کی نیکی کے ساتھ اتباع کی۔

اصحاب بدر کی فضیلت اس قدر ثابت ہے کہ سب سے ممتاز ہو گئے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنھیں اللہ اور اس کے رسول نے فضیلت دی ہے ان میں اہل صفہ اور باقی دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم داخل ہیں عشرہ مبشرہ میں کوئی بھی صفہ میں نہ تھا۔ بجز سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے کہ جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ایک مرتبہ صفہ میں

رہے تھے۔رہے اکابرین مہاجرین وانصار مثلاً خلفائے راشدین، سعد بن معاذ، اسید بن الحضیر، عباد بن بشر، ابوایوب انصاری، معاذ بن جبل، ابی بن کعب رضی اللہ عنہم وغیرہ تو ان میں سے کوئی بھی صفہ میں نہ تھا۔اصحاب صفہ عموماً فقراء مہاجرین میں سے تھے' انصار اپنے وطن میں تھے اور اپنی کفالت خود کرتے تھے۔

اس وقت کوئی بھی اصحاب صفہ یا کسی دوسرے انسان سے کوئی نذر یا منّت نہ مانتا تھا۔

کیا اصحابِ صفہ کو حال آتا تھا؟

رہا سیٹیوں، تالیوں اور ربانی قصائد سننے کے لیے جمع ہونا عام اس سے کہ سرود کے ساتھ یا بغیر سرود کے تو یہ فعل نہ صحابہ نے کیا، نہ اہل صفہ نے نہ سلف صالح کی کسی اور جماعت نے بلکہ تابعین، تبع تابعین، بلکہ قرون ثلاثہ جو بموجب حدیث نبوی:

خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِی الَّذِیْ بُعِثْتُ فِیهِمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ۔ [1]

بہترین زمانہ وہ ہے جس میں میں مبعوث کیا گیا۔پھر وہ جو ان کے بعد ہے، پھر وہ جو ان کے بعد ہے۔

خیر القرون میں کسی نے بھی سماع نہیں کیا۔صدرِ اول میں کوئی شخص بھی اس قسم کے سماع کے لیے جمع نہ ہوتا تھا، نہ حجاز میں، نہ شام میں، نہ یمن میں، نہ عراق میں، نہ مصر میں، نہ خراسان میں، نہ مغرب اقصیٰ میں۔البتہ ایک سماع ضرور ایسا تھا جس کے لیے ان کا اجتماع ہوا کرتا تھا اور وہ قرآن کا سماع تھا نہ کہ تالیوں، باجوں اور ہاؤ ہو کا سماع۔چنانچہ جب صحابہ رضی اللہ عنہم (اصحابِ صفہ ہوں یا دوسرے) یکجا ہوتے تو ایک سے کہتے، قرآن پڑھو، وہ تلاوت شروع کرتا اور باقی سب سنتے۔

روایت ہے ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اصحاب صفہ کی طرف سے گذر ہوا ان میں

---

[1] سنن الترمذی، حدیث: ۲۳۰۲ ، ۲۳۰۳، فتح الباری: ج ۷ ص ۶ ، ج ۱۳ ص ۲۱۔

ایک شخص قرآن پڑھ رہا تھا آپ ان کے ساتھ قرآن سننے کے لیے بیٹھ گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے کہا کرتے: یا ابا موسی ذکرنا ربنا (ابوموسیٰ ہمیں ہمارے رب کی یاد دلاؤ) چنانچہ وہ قراءت کرتے تھے اور سب سنتے تھے۔

"سنن دارمی، سنن ابن ماجہ اور معجم طبرانی کبیر میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا مسجد نبوی میں دو مجلسوں کے پاس سے گزر ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا یہ دونوں مجلسیں خیر و برکت کی مجلسیں ہیں لیکن ان میں سے ایک دوسری سے افضل ہے۔ ایک مجلس میں لوگ اللہ سے دعاء کرتے ہیں اور اس کی طرف رغبت رکھتے ہیں۔ اگر وہ چاہے تو انھیں عطا فرمادے اور اگر چاہے تو نہ عطا فرمائے اور دوسرے لوگ فقہ یا علم سیکھ رہے ہیں اور وہ جاہل کو بھی علم سکھاتے ہیں۔ یہ لوگ افضل ہیں اور مجھے بھی معلم بنا کر مبعوث کیا گیا ہے۔ پھر آپ ﷺ انہی کے ساتھ بیٹھ گئے۔" (لیکن اس حدیث میں یہ ذکر نہیں ہے کہ یہ اصحاب صفہ تھے، نیز یہ حدیث بھی ضعیف ہے)

یہ کہنا صریح کذب و بہتان ہے کہ اصحاب صفہ کے لیے کوئی خاص حاد (گویا) جو اصلاح قلوب کے لیے ربانی قصائد گاتا تھا۔ یا یہ کہ ایک مرتبہ انھیں بعض اشعار پر وجد آگیا اور کپڑے پھاڑ ڈالے، یا یہ کہ ان کی مجلس میں یہ شعر گائے گئے۔

قَدْ لَسَعَتْ حَيَّةُ الْهَوٰى كَبِدِىْ فَلاَ طَبِيْبَ لَهَا وَلاَ رَاقِىْ

عشق کے سانپ نے مجھے ڈسا ہے نہ کوئی اس کا طبیب ہے اور نہ جھاڑنے والا

الا الطيب الذی شغفت به فعنده رقيتی و ترياقی

بجز اس طبیب کے جس سے مجھے شغف ہے صرف اسی کے پاس میرا منتر اور تریاق ہے۔

یا یہ کہ نبی ﷺ نے جب فرمایا کہ: اِنَّ الْفُقَرَآءُ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ قَبْلَ الْاَغْنِيَآءِ بِنِصْفِ يَوْمٍ [1] (فقراء جنت میں اغنیا سے آدھے دن پہلے داخل ہوں گے)

---

[1] سنن ابن ماجہ، حدیث: ۴۱۲۳، ۴۱۲۴

تو اس پر شعر کہے گئے اور انھیں وجد آ گیا۔ یہ سب روایتیں محض کذب وافترا ہیں۔ تمام اہل علم وایمان ان کے کذب و بطلان پر متفق ہیں۔ نزاع کرنے والا محض جاہل یا گمراہ ہے۔ اگر کسی کتاب میں اس قسم کی کوئی بات مذکور ہے تو وہ بھی جھوٹ ہے۔

اصحابِ صفہ اور آیت اِصْبِرْ نَفْسَکَ۔۔الخ

رہی آیت:

﴿ وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَه‘ ﴾ (الکھف:۲۸)

ان لوگوں کے ساتھ برابر رہو جو اپنے رب کو صبح وشام پکارتے ہیں (اور اس سے) اس کی رضامندی چاہتے ہیں۔

کہ جس کی بابت سوال کیا گیا ہے تو یہ عام ہے اور ان تمام لوگوں کو شامل ہے جو اس وصف میں داخل ہیں۔ چنانچہ فجر وعصر کی باجماعت نمازیں پڑھنے والے بھی اس کے تحت ہیں کیوں کہ وہ بھی اپنے رب کو صبح وشام پکارتے اور اس کی رضا و خوشنودی چاہتے ہیں۔ اس میں اصحاب صفہ کی کوئی قید نہیں۔ یہ وصف رکھنے والے تمام مسلمان اس کے مصداق ہیں۔ اس آیت میں اللہ نے اپنے نبی کو حکم دیا ہے کہ اللہ کے ان صالح بندوں کا ساتھ نہ چھوڑیں جو اپنے مالک سے لو لگائے ہیں اور آخرت کی جستجو میں بے قرار ہیں۔ پھر فرمایا: کیا ان کا ساتھ چھوڑنے سے تم دنیاوی زندگی اور اس کے عیش وعشرت چاہتے ہو۔ ﴿ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ (الکھف :۲۸) ظاہر ہے کہ اس میں خاص طور پر اصحاب صفہ کا کوئی ذکر نہیں اور یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ ان کے نام کی تصریح نہیں مگر اتری انھیں کے حق میں ہے کیوں کہ آیت سورہ کہف میں ہے۔ جو ایک مکی سورت ہے اور معلوم ہے کہ مکہ میں اصحاب صفہ نہ تھے۔ یہی حال سورہ انعام کی اس آیت کا ہے:

﴿ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَه‘ ط مَا عَلَيْکَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّ مَا مِنْ حِسَابِکَ

عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُونَ مِنَ الظَّالِمِيْنَ﴾(الانعام: ۵۲)

اور جولوگ صبح وشام اپنے پروردگار سے دعاء کرتے ہیں (اور) اس کی ذات کے طالب ہیں ان کو (اپنے پاس سے) مت نکالو، ان کے حساب (اعمال) کی جواب دہی تم پر کچھ نہیں اور تمہارے حساب کی جواب دہی ان پر کچھ نہیں (پس ایسانہ کرنا) اگران کونکالوگےتو ظالموں میں ہوجاؤ گے۔

ان دونوں آیتوں کا شان نزول یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب متکبر سرداران قریش نے نبی ﷺ سے مطالبہ کیا کہ کمزور اور غریب مسلمانوں کو اگر آپ علیحدہ کر دیں تو ہم پاس آئیں۔مگران آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے سے منع کیا اور حکم دیا کہ باوجود غربت وکمزوری ان مومنین صادقین کا ساتھ نہ چھوڑیں جو رضا الٰہی کے بھوکے پیاسے ہیں اور اہل ریاست ودولت کی طرف نہ جھکیں جو غریبوں اور کمزوروں کو ذلیل سمجھ کر دور کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ اللہ کی نظر میں امیر وغریب ، زبردست و زیردست سب برابر ہیں۔وہاں کوئی اپنی طاقت ومال کے زور سے آگے نہیں بڑھ سکتا اور نہ اپنی بے چارگی ومسکینی کی وجہ سے گرسکتا ہے بلکہ جو چیز اس دربار میں مقبول و مطلوب ہے وہ ایمان صحیح اور عمل صالح ہے، پس حکم دیا کہ ان مومنین صادقین کو بدستور ساتھ رکھواور مغروروں اور غافلوں کی کچھ بھی پرواہ نہ کرو۔یہ واقعہ ہجرت مدینہ سے پہلے کا ہے جب نہ اصحاب صفہ تھے اور نہ خود صفہ کا وجود تھا۔لیکن چوں کہ آیت عام ہے، اس لیے اصحاب صفہ اور جملہ مسلمان اس میں داخل ہوسکتے ہیں۔

ولیوں کے بارے میں جھوٹی حدیث

رہی حدیث مَا مِنْ جَمَاعَةٍ يَجْتَمِعُوْنَ اِلَّا وَفِيْهِمْ وَلِيُّ اللهِ [1] تو

---

[1] ترجمہ: ہروہ جماعت جواکٹھی ہوتی ہےاس میں ایک ولی اللہ ضرور ہوتا ہے۔بعضوں نے اس حدیث میں اتنااوراضافہ کردیاہے: لَا هُمْ يَدْرُوْنَ بِهٖ وَ لَا هُوَ يَدْرِيْ بِهٖ نَفْسَهٗ نہ یہ لوگ اسے جانتے ہیں اور نہ وہ خوداپنے تئیں جانتاہے) یہ پوری حدیث موضوع ہے۔ ملاعلی قاری نے ''موضوعات'' میں کہا ہے کہ یہ بے معنی کلام ہے۔

کذب ہے اور معتبر کتب اسلام میں کہیں موجود نہیں۔ اس کا بطلان محتاج دلیل نہیں، کیوں کہ ممکن ہے جمع ہونے والی جماعت کافر ہو، فاسق ہو، اور اسی حالت پر مرے۔ ظاہر ہے ولی اللہ نہ کافر ہو سکتا ہے، نہ فاسق ہو سکتا ہے، نہ سوا ایمان کے کسی دوسری حالت پر مر سکتا ہے۔

اولیاء اللہ کون لوگ ہیں

اولیاء اللہ وہی لوگ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیز گار رہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں صاف فرما دیا ہے۔ ان کی دو قسمیں ہیں:

(۱) مُقْتَصِدُوْنَ اَصْحَابُ الْيَمِيْنَ ۔

(۲) وَ مُقَرَّبُوْنَ السَّابِقُوْنَ ولی اللہ، عدو اللہ کی ضد ہے ۔ فرمایا:

﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ﴾ (یونس: ۶۲، ۶۳)

اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔ وہ جو ایمان لائے اور پرہیز گار رہے۔

اور فرمایا:

﴿اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ رَاكِعُوْنَ ۝ وَ مَنْ يَتَوَلَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغَالِبُوْنَ﴾

(المآئدة: ۵۵، ۵۶)

تمہارا دوست صرف اللہ ہے اور اس کا رسول اور وہ جو ایمان لائے۔ نماز قائم کرتے، زکوٰۃ دیتے اور وہ رکوع کرنے والے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کی دوستی و مددگاری کرے گا۔ تو اللہ کی جماعت ہی غالب رہنے والی ہے۔

اور فرمایا:

﴿لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ﴾ (الممتحنۃ: ۱)

میرے اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ۔

اور فرمایا:

﴿اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَ ذُرِّیَّتَهٗٓ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِیْ وَ هُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ﴾

(الکھف: ۵۰)

کیا تم اسے (شیطان) اور اس کی نسل کو مجھے چھوڑ کر (دوست) ٹھہراتے ہو حالانکہ وہ تمھارے دشمن ہیں۔

صحیح بخاری میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جس نے میرے ولی سے عداوت کی اس نے خود مجھ سے علانیہ جنگ چھیڑ دی، کسی کام میں مجھے اتنا پس و پیش نہیں ہوتا جتنا اپنے اس مومن بندے کی روح قبض کرنے میں ہوتا ہے جسے موت ناپسند ہے کیوں کہ میں اسے تکلیف دینا پسند نہیں کرتا، حالانکہ موت اس کے لیے ضروری ہے۔ سب سے زیادہ جس چیز سے میرا بندہ مجھ سے قربت حاصل کر سکتا ہے میرے فرائض کی ادائیگی ہے۔ میرا بندہ نوافل کے ذریعہ مجھ سے برابر نزدیک ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں محبت کرنے لگتا ہوں تو اس کا کان ہوتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ ہوتا ہوں، جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ ہوتا ہوں جس سے وہ حملہ کرتا ہے، اس کا پاؤں ہوتا ہوں، جس سے وہ چلتا ہے۔ پس وہ مجھ ہی سے سنتا ہے، مجھ ہی سے دیکھتا ہے، مجھ ہی سے حملہ کرتا ہے، مجھ ہی سے چلتا ہے۔ ''ولی'' وَلِیٌّ سے مشتق جس کے معنی ہیں قرب و نزدیکی ٹھیک اسی طرح جس طرح ''عَدُوٌّ''۔ ''عَدُوٌّ'' سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ہیں بعد و دوری۔ پس اللہ کا ولی وہی ہے جو اس کے محبوبات و مرضیات میں اس کی موافقت و اطاعت کے ذریعہ اس سے قرب و نزدیکی حاصل کرتا ہے۔ مذکورہ بالا حدیث میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دو گروہ ذکر کیے ہیں۔ مقتصدوں ''اصحاب الیمین'' یعنی وہ لوگ جو واجبات کے ذریعہ اس کی قربت حاصل کرتے ہیں اور

سابقون المقربون'' اور یہ وہ خوش نصیب ہیں جو واجبات کے بعد نوافل [1] بھی پورے کرتے اور اس طرح سبقت وقربت کی لازوال دولت سے مالا مال ہو جاتے ہیں۔ سورہ فاطر، واقعہ، (دہر) اور مطففین میں ان جماعتوں کا ذکر موجود ہے اور اللہ نے خبر دی ہے کہ جس شراب سے مقرب ہمیشہ سیراب ہوا کریں گے اس سے اصحاب یمین کی شراب میں آمیزش کی جائے گی۔

ولی مطلق وہ ہے جو زندگی کے آخری لمحہ تک ایمان وتقویٰ وصلاح پر مضبوطی سے قائم رہا اور اسی پر اس جہاں سے رخصت ہوا، لیکن وہ شخص جو ایمان وتقویٰ رکھتا ہے مگر علم الٰہی میں ثابت ہے کہ آخر تک ثابت قدم نہ رہے گا، تو کیا ایمان وتقویٰ کی حالت میں وہ اللہ کا ولی قرار دیا جائے گا یا کہا جائے گا۔ وہ کبھی بھی ولی نہ تھا کیوں کہ اللہ تعالیٰ کو اس کا خاتمہ معلوم تھا؟ اس مسئلہ میں علماء کا ویسا ہی اختلاف ہے جیسا کہ اس ایمان کی صحت میں جس کے بعد کفر ہو۔ بعض ایسے ایمان کو صحیح قرار دیتے ہیں اور ان اعمال پر قیاس کرتے ہیں جو کامل ہونے کے بعد باطل ہو جاتے ہیں اور بعض اسے سرے سے باطل قرار دیتے ہیں اور اس روزہ اور نماز پر قیاس کرتے ہیں، جو غروب سے یا اسلام سے پہلے فاسد ہو جائے۔ اس مسئلہ میں فقہاو متکلمین صوفیہ کے دو قول مروی ہیں۔ اہل سنت وحدیث اصحاب احمدؒ میں بھی نزاع ہے۔ اصحاب مالک وشافعی اسے شرط بتاتے ہی۔ یہی رائے متکلمین اہل حدیث مثلاً اشعری اور متکلمین شیعہ میں سے ایک بڑی جماعت کی بھی ہے۔ اس نزاع پر اس مسئلہ کی بھی بنیاد رکھتے ہیں کہ آیا ولی اللہ کبھی عدو اللہ اور عدو اللہ کبھی ولی ہو جاتا ہے اور آیا جس سے اللہ نے ایک مرتبہ محبت کی اور راضی ہوا کیا اس سے کبھی ناخوش بھی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوا کیا پھر کبھی اس سے محبت بھی کرتا ہے؟ اس بارے میں بھی علماء کے

---

[1] نوافل وواجبات وفرائض سے مقصود صرف ''نمازیں'' نہیں بلکہ تمام اعمال صالحہ عام اس سے کہ عبادت ہوں یا حقوق العباد وغیرہ۔

وہی دوقول موجود ہیں جواوپر بیان ہوئے۔

لیکن تحقیق یہ ہے کہ دونوں قولوں کو جمع کر دیا جائے کیوں علم الٰہی قدیم اورازلی ہے اوراس میں جو کچھ ہے عام اس سے کہ محبت و رضا مندی ہو یا بغض و ناراضی ہرگز بدلنے والانہیں۔ پس جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ موت کے وقت ایمان وتقویٰ سے متصف ہوگا تواس سے اس کی محبت ولایت و رضامندی ازل وابد میں متعلق ہوگئی۔ اسی طرح جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کاعلم ہے کہ موت کے وقت کافرہوگا۔ اس سے اس کی نفرت وعداوت و ناراضی ازل وابد میں متعلق ہوگئی لیکن بایں ہمہ اللہ تعالیٰ اس کا سابق کفروفسق ناپسند کرتاہےاوراسی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ خوداسے ناپسند کرتاہے کیوں کہ وہ ان افعال سے نفرت کرتااوران سے بچنے کاحکم دیتاہے۔ نیز ایمان وتقویٰ کی قسم سے ان ہی افعال کی ہدایت کرتا ہے، جواس شخص نے بعد میں اختیار کیےاورظاہر ہے جس بات کاوہ حکم دیتاہے، اس سے محبت کرتااور خوش ہوتاہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ تمام امت متفق ہے کہ اگرمومن مرتد ہوجائے تواس کے سابق ایمان کونماز، روزہ حج وغیرہ عبادات کی طرح فاسد قرارنہیں دیا جائے گا جوکمال سے پہلے باطل ہوجاتی ہیں۔ بلکہ ایسی صورت میں وہی حکم لگایا جائے گا خوداللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایادیاہے:

﴿ وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ﴾ (المآئدہ:۵)

جوکفرکرےگااس کاعمل ضرورضائع ہوجائےگا۔

اورفرمایاکہ:

﴿ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ ﴾ (الزمر:۶۵)

اگرتوشرک کرےگاتوتیراعمل ضرورضائع جائےگا۔

﴿ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ (الانعام:۸۸)

اگر وہ شرک کرتے تو ضرور ان کے عمل ضائع جاتے۔

اور اگر ایمان اول فاسد قرار دیا جائے تو واجب ہوگا کہ اس کے تمام سابق اعمال بھی غیر معتبر ہو جائیں۔ تمام نکاح فاسد، تمام ذبیحے حرام اور تمام عبادتیں باطل قرار دی جائیں حتیٰ کہ اگر اس نے کسی کی طرف سے حج کیا ہے تو حج باطل، اگر نماز میں امام رہا ہے تو مقتدیوں کی تمام نمازیں باطل۔ ان کا اعادہ ضروری، اور اگر شہادت دی ہے یا فیصلہ کیا ہے تو یہ شہادت اور فیصلہ دونوں فاسد۔ اسی طرح کہنا پڑے گا کہ وہ کافر جس کا ایمان لانا اللہ کے علم میں ثابت ہے اور اس وجہ سے حالت کفر میں بھی اس کا محبوب وولی ہے جب ایمان لے آئے تو اس کے زمانہ کفر کے تمام اعمال عدم محض قرار دے دیئے جائیں۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں کتاب وسنت اور اجماع امت کے قطعی خلاف ہیں۔

پس جو کہتا ہے کہ ولی اللہ وہی ہے جو موت کے وقت ایمان وتقویٰ سے متصف ہے تو اس کا علم خود ولی اور دوسروں کے لیے بہت مشکل ہے اور جو کہتا ہے کہ ہر متقی، مومن ولی اللہ ہو سکتا ہے تو اس کا علم خود ولی اور دوسروں کے لیے نسبتاً آسان ہے۔ لیکن یہ علم بھی بہت کم حاصل ہوتا ہے بنا بریں اس بات میں کسی فیصلہ وحکم کی جرأت درست نہیں، البتہ جس کی ولایت ونجات نص سے ثابت ہے۔ مثلاً عشرہ مبشرہ وغیرہ تو عامہ اہل سنت ان کی ولایت ونجات کی شہادت دیتے ہیں۔ رہے وہ بزرگ جنھیں امت میں لسان صدق کا مرتبہ حاصل ہے اور تمام مسلمان ان کی مدح وثنا پر متفق ہیں تو ان کی ولایت کی شہادت کے متعلق اہل سنت میں اختلاف ہے لیکن اولیٰ یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ولایت تسلیم کی جائے، یہ حکم عام حالات کا ہے لیکن خواص امت کبھی اللہ کے بخشے ہوئے کشف کے ذریعہ بعض لوگوں کا انجام معلوم کر سکتے ہیں اور کہہ سکتے ہیں کہ فلاں ولی ہے یا نہیں۔ مگر کشف کا معاملہ ایسا نہیں ہے جس کی عام تصدیق واجب ہو کیوں کہ بسا اوقات اس میں غلطی بھی ہو جاتی ہے۔ صاحب کشف سمجھتا ہے کہ کشف ہو گیا حالانکہ حقیقت میں وہ محض ایک ظن ہوتا ہے اور حق سے کوسوں

دور اور یہ کچھ بھی عجیب نہیں ۔ اصحاب مکاشفات و مخاطبات بھی کبھی اسی طرح وہم اور غلطی کا شکار ہو جاتے ہیں، جس طرح اہل علم و استدلال کو اجتہاد میں ٹھوکر لگتی ہے۔ اسی لیے سب لوگوں پر عام اس سے کہ اصحاب کشف ہوں یا اصحاب نظر واجب ہے کہ کتاب اللہ وسنت رسول اللہ ﷺ کو مضبوطی سے پکڑیں، اپنے مواجید و مشاہدات و آراء و معقولات کو کتاب و سنت کی کسوٹی پر پرکھیں اور اس سے بے نیاز ہو کر صرف اپنی ذات پر بھروسہ نہ کر لیں چنانچہ امت محمدیہ ﷺ کے سید المحدثین المخاطبین الملھمین حضرت عمرؓ بن خطاب کو خود بارہا ایسے حالات و واقعات پیش آ جاتے تھے جنھیں آپ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صدیق و متبع و تابع (جو محدث سے افضل درجہ ہے) کے سامنے رکھنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ ظاہر ہے اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر ولی کتاب و سنت کے اتباع سے مستغنی نہ ہو سکتے تھے تو پھر اور کون ہو سکتا ہے؟

بنا بریں تمام نوع انسانی پر رسول کے اتباع و اطاعت تمام ظاہری و باطنی امور میں واجب کر دی گئی ہے اور اگر ایسا نہ ہوتا کہ کسی کے پاس اللہ کی طرف سے ایسی خبریں آیا کرتیں جنھیں کتاب و سنت پر پرکھنے کی ضرورت نہ ہوتی تو وہ بلاشبہ اپنے دین وطریقہ میں رسول ﷺ سے مستغنی ہوتا لیکن صورت واقعہ اس کے بالکل مختلف ہے۔ گمراہ اور منافق ہی اس قسم کا خیال کر سکتے ہیں کہ بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی حیثیت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ وہی ہے جو خضر کی موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھی حالانکہ جو کوئی یہ اعتقاد رکھے کافر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ وَّلَا نَبِیٍّ اِلَّاۤ اِذَا تَمَنّٰۤی اَلۡقَی الشَّیۡطٰنُ فِیۡۤ اُمۡنِیَّتِہٖ ۚ فَیَنۡسَخُ اللّٰہُ مَا یُلۡقِی الشَّیۡطٰنُ ثُمَّ یُحۡکِمُ اللّٰہُ اٰیٰتِہٖ ؕ وَاللّٰہُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ ﴾ (الحج: ۵۲)

تم سے پہلے ہم نے جتنے رسول اور نبی بھیجے جب انھوں نے آرزو کی، شیطان نے ان کی آرزو میں القا کر دیا۔ پس اللہ شیطان کے القا کو دور کر

دیتا ہے۔ پھر اپنی آیتوں کو مستحکم کر دیتا ہے۔ اللہ جاننے والا' حکمت والا ہے۔

اس آیت کے بموجب اللہ نے صرف اپنے نبیوں اور رسولوں کے لیے ذمہ لیا ہے کہ انھیں شیطان کے القا سے محفوظ رکھے گا، لیکن محدث یا ولی کے لیے تو اس کا ذمہ نہیں لیا۔ بلاشبہ ابن عباسؓ وغیرہ بعض صحابہ یہ آیت یوں پڑھا کرتے تھے: ﴿ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُوْلٍ وَلَا نَبِيٍّ "وَلَا مُحَدَّثٍ" اِلَّا اِذَا تَمَنّٰى اَلْقَى الشَّيْطَانُ فِيْ اُمْنِيَّتِهٖ. . . الخ ﴾ لیکن اس قراءت میں بھی (واللہ اعلم) محتمل ہے کہ نسخ القاء شیطان محدث شامل نہ ہو کیوں کہ نسخ کی یہ صورت صرف انبیاء و مرسلین کے لیے مخصوص ہے، اس لیے کہ تنہا وہی معصوم ہیں اور وہ بھی صرف تبلیغ شریعت میں کہ جس میں شیطان کا القا ہونا درست نہیں۔ باقی رہے اور لوگ تو کسی کا بھی معصوم ہونا ضروری نہیں۔ اگر چہ وہ اولیاء اللہ متقین ہی کیوں نہ ہوں، کیوں کہ اولیاء اللہ ہونے کے لیے یہ شرط نہیں کہ کسی بات میں بھی قابل معافی غلطی نہ کریں۔ بلکہ علی الاطلاق ترکِ صغائر بھی ان کے لیے شرط نہیں بلکہ ترک کبائر حتی کہ وہ کفر بھی جس کے بعد توبہ ہو شرط نہیں، چنانچہ قرآن میں ہے:

﴿ وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ○ لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ (الزمر: ۳۳ تا ۳۵)

جو سچائی کو لایا اور جس نے اس کی تصدیق کی وہی متقی ہیں، ان کے رب کے ہاں ان کے لیے وہ سب ہے جو وہ چاہیں گے۔ یہ نیک کرداروں کا بدلہ ہے تا کہ اللہ ان کے سب سے بدتر عمل کو دور کر دے اور انھیں ان کے سب سے اچھے عمل کا بدلہ دے۔

پس اللہ تعالیٰ نے انھیں ایک طرف ''متقی'' قرار دیا ہے اور متقی ہی اولیاء اللہ ہوے ہیں، لیکن باوجود اس کے وہ گناہ کرتے ہیں اور لِیُکَفِّرَ اللّٰہُ عَنْھُمْ اَسْوَاَ الَّذِیْ عَمِلُوْا (الزمر :۳۵) وہ ان کے بدترین اعمال بھی معاف کردیتا ہے۔ اس مسئلہ میں تمام اہل علم وایمان متفق ہیں اور اگر کچھ خلاف ہے تو غالی روافض اور امثال روافض کا ہے جو مشائخ میں حد درجہ غلو کرتے ہیں، چنانچہ روافض کا اعتقاد ہے کہ ائمہ اثنا عشرہ غلطی اور گناہ سے معصوم ہیں، بلکہ انھوں نے اسے اپنے مذہب کی ایک اصل قرار دیا ہے۔ اسی طرح مشائخ میں غلو کرنے والے بھی کہتے ہیں ولی محفوظ ہے اور نبی معصوم صرف لفظ کا اختلاف ہے ورنہ معنی ایک ہیں۔ پھر ان میں سے بعض زبان سے یہ نہیں کہتے مگر عملاً طریقہ وہی رکھتے ہیں جو اس عقیدہ والوں کا ہے۔ کہ شیخ یا ولی نہ غلطی کرسکتا ہے نہ گناہ بلکہ یہ دونوں گروہ غلو کرتے کرتے اپنے امام یا شیخ کو نبی کے درجہ تک بلکہ اس سے بھی زیادہ بڑھا دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ اس میں الوہیت کے صفات بھی داخل کرنے سے نہیں ڈرتے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ تمام گمراہیاں جاہلیت کی گمراہیاں ہیں اور نصرانیت کی گمراہیوں کی ہمسری کرتی ہیں۔ نصاریٰ نے حضرت مسیح اور احبار و رہبان میں جو غلو کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے قرآن میں سخت مذموم قرار دے کر ہمارے لیے عبرت بنادیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے صاف صاف فرمادیا ہے۔

لَا تُطْرُوْنِیْ کَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰی عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ فَاِنَّمَا اَنَا عَبْدٌ فَقُوْلُوْا عَبْدُاللّٰہِ وَ رَسُوْلُہٗ۔ (بخاری و مسلم)

مجھے اس طرح نہ بڑھاؤ جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کو بڑھایا میں تو صرف ایک بندہ ہوں پس (مجھے) کہو اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول۔

فقراء

رہے فقراء جن کا ذکر کتاب اللہ میں وارد ہے تو ان کی دو قسمیں ہیں۔ مستحقین صدقات اور مستحقین فئ۔ مستحقین صدقات کا ذکر اس آیت میں ہے:

﴿ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَ اِنْ تُخْفُوْهَا وَ تُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ ﴾ (البقرۃ : ۲۷۱)

اگر تم خیرات ظاہر کرو اچھی ہے اور اگر اسے چھپاؤ اور فقیروں کو دے دو تو وہ تمھارے لیے بہتر ہے۔

اور فرمایا:

﴿ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ ﴾ (التوبہ: ۶۰)

خیراتیں فقراء و مساکین کے لیے ہیں۔

قرآن میں جہاں جہاں صرف ''فقیر'' یا صرف ''مسکین'' کا لفظ آتا ہے جیسے آیت: ﴿ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِيْنَ ﴾ (المآئدۃ: ۸۹) تو دونوں لفظوں سے ایک ہی قسم کے لوگ مراد ہوتے ہیں مگر جب دونوں ایک ساتھ ذکر کیے جاتے ہیں تو ان سے مقصود الگ الگ لوگ ہوتے ہیں لیکن بہر حال دونوں سے غرض ایک ہی ہے یعنی وہ محتاج جو نہ اپنی روزی رکھتے ہیں، نہ کمانے کی قدرت جس مسلمان کی بھی یہ حالت ہو وہ مسلمانوں کے جملہ صدقات کا مستحق ہے۔ فقہا میں ان مسائل کے بعض فروع میں اختلاف ہے جو اہل علم سے مخفی نہیں۔

ان کے برخلاف ''اغنیا'' ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔ ان کی بھی دو قسمیں ہیں ایک وہ لوگ ہیں جن پر زکوۃ واجب ہے۔ اگرچہ جمہور علماء کے نزدیک زکوۃ کبھی ان لوگوں پر بھی واجب ہو جاتی ہے جن کے لیے خود زکوۃ لینا جائز ہے اور دوسرے وہ لوگ ہیں جن پر زکوۃ واجب نہیں۔ دونوں گروہوں کے پاس کبھی ان کے ضروری مصارف کے بعد کچھ بچ رہتا ہے ان کے متعلق قرآن میں ہے:

﴿ یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ط قُلِ الْعَفْوَ ط ﴾ (البقرہ: ۲۱۹)

وہ پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں، کہو زائد از ضرورت مال۔

اور کبھی نہیں بچتا اور یہ وہ لوگ ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے صرف قوت لا یموت اور کفاف عیش دیا ہے۔ اس طرح ایک طرف یہ لوگ ''غنی'' ہیں کیوں کہ دوسروں سے مستغنی ہیں اور دوسری طرف ''فقیر'' ہیں کیوں کہ اتنا نہیں رکھتے کہ صدقہ دے سکیں۔

اور یہ جو کہا گیا کہ فقراء اغنیا سے آدھے دن پہلے جنت میں پہنچ جائیں گے تو اس لیے کہ انکے پاس زائد مال نہیں کہ جس کی آمدنی وخرچ کا حساب کتاب دینا ہو۔ لہٰذا ہر وہ شخص جس کے پاس کفاف سے زیادہ نہیں، ان فقیروں سے ہوسکتا ہے جو مال داروں سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ علی الاطلاق فقراء اغنیاء سے افضل ہیں۔ کیوں کہ مال دار اپنا مال رضا الٰہی میں صرف کرتے ہیں تو جنت میں داخل ہونے کے بعد ممکن ہے کہ ان فقراء سے جو پیش قدمی کر کے پہلے پہنچ گئے اعلیٰ درجہ حاصل کرلیں، بلکہ یہ یقینی ہے کیوں کہ دولت مند صدیقین، سابقین فقراء سے (جو ان سے کم رتبہ ہیں) بلا نزاع سبقت لے جائیں۔ اسی لیے تو فقراء نے جب دیکھا کہ اغنیاء عبادات بدنیہ میں ان کے برابر ہو گئے اور عباداتِ مالیہ میں ان سے بازی لے گئے تو کہا:

ذَهَبَ اَهْلُ الدُّثُوْرِ بِالْاُجُوْرِ۔

مال دار تمام ثواب لے گئے۔

اس پر جواب ملا۔

﴿ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ﴾ (الجمعة: ۴)

یہ اللہ کا فضل ہے جس پر چاہے کرے۔

یہ ہے مراد کتاب وسنت میں فقیر اور فقراء سے نہ وہ جو گمراہ بیان کرتے ہیں پھر تمام فقراء کا جنتی ہونا بھی ضروری نہیں کیوں کہ مال داروں کی طرح روحانیت میں ان

کے بھی درجے ہیں۔ بعض سابقین ہیں، بعض مقتصدین اور بعض ظَالِمِیْنَ لِاَنْفُسِھِمْ فریقین مومن صدیق بھی ہیں اور منافق زندیق بھی اس لیے کسی جماعت پر کوئی عام حکم لگانا روانہیں۔

متاخرین کے عرف میں صوفی کی طرح فقیر بھی سالک الی اللہ کا نام ہے۔ پھر ان میں بعض لفظ صوفی کو ترجیح دیتے ہیں اور بعض فقیر کو کیوں کہ ان کے نزدیک صوفی وہ ہے جس نے تمام علائق منقطع کر لیے ہیں اور ظاہر میں واجبات کے علاوہ اپنے تئیں کسی چیز سے مقید نہیں رکھا۔ لیکن یہ لفظی اختلافات ہیں اور تحقیق یہ ہے کہ دونوں لفظوں سے وہی معنیٰ مراد ہیں جو ''محمود'' صدیق ولی یا صالح وغیرہ الفاظ کے ہیں جو کتاب وسنت میں وارد ہیں اور وہی حکم رکھتے ہیں جو شریعت نے مقرر کر دیا ہے۔

رہے وہ مباحات جنھیں فضیلت سمجھا جاتا ہے اور جو حقیقت میں کوئی خاص فضیلت نہیں یا وہ امور جن سے دنیا میں قدر ومنزلت بڑھتی ہے تو ان سے امتیاز حاصل کرنا یا انھیں دوسروں کی امداد کرنا کوئی بڑی چیز نہیں۔ کیوں کہ شریعت میں یہ عام اور معمولی بات ہے الا یہ کہ مباح کو مستحب قرار دے لیا جائے۔ تو اس کا حکم دوسرا ہے۔ لیکن وہ امور جو شریعت میں مکروہ ہیں۔ مثلاً بدعت وفجور تو ان سے آلودہ ہونا ہر حالت میں ناجائز اور ان سے دوسروں کو روکنا واجب ہے جیسا کہ شریعت کا حکم ہے۔

اولیاء کے القاب

رہے وہ اسماء والقاب جو اکثر عابدوں زاہدوں اور عوام کی زبانوں پر جاری ہیں مثلاً غوث (جس کے متعلق دعویٰ ہے کہ مکہ میں ہوگا) چار اوتاد، سات قطب، ۴۰ ابدال، تین سو نجباء، تو یہ اسماء نہ کتاب اللہ میں وارد ہیں اور نہ نبی ﷺ سے منقول ہیں نہ اسناد صحیح سے، نہ ضعیف محتمل سے، البتہ ''ابدال'' کے متعلق ایک منقطع الاسناد شامی حدیث حضرت علیؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّ فِیْھِمْ (یَعْنِیْ اَھْلُ الشَّامِ) الْاَبْدَالَ اَرْبَعِیْنَ رَجُلاً کُلَّمَا مَاتَ رَجُلٌ اَبْدَلَهُ اللهُ

مَکَانَہٗ رَجُلاً (ان میں شامیوں میں) ابدال ہیں، جب ان میں کوئی مرتا ہے اللہ اس کی جگہ دوسرے کو بدل دیتا ہے) پھر یہ اسماء اس ترتیب کے ساتھ کلام سلف میں موجود نہیں اور نہ اس ترتیب و معنیٰ سے ان مشائخ کے کلام میں وارد ہیں جنھیں امت میں قبول عام حاصل ہے۔ وہ اپنی موجودہ صورت میں صرف مشائخ متوسطین کے ہاں ملتے ہیں۔ یہ اور ایسے ہی بہت سے امور ہیں جو اکثر متاخرین پر مشتبہ ہو گئے ہیں کیوں کہ ان میں حق و باطل بری طرح مل جل گئے ہیں، ان میں ایک حصہ حق کا ہے جس کا قبول کرنا ضروری ہے اور ایک باطل کا ہے جسے رد کر دینا چاہیے مگر اکثر لوگ افراط یا تفریط میں پڑ گئے ہیں، چنانچہ ایک گروہ نے باطل حصہ دیکھ کر پوری بات کی تکذیب کر دی اور دوسرے گروہ نے حق دیکھ کر پورے طور پر تصدیق کر دی، حالانکہ چاہیے یہ تھا کہ حق کی تصدیق اور باطل کی تکذیب کی جاتی۔ یہ حالت بھی اس نبوی پیشین گوئی کی تصدیق ہے جس میں کہا گیا ہے کہ یہ امت اگلی امتوں کے نقش قدم پر چلے گی۔ اہل کتاب کی اگلی امتوں نے بھی اسی طرح حق کو باطل سے ملا دیا تھا اور یہی وہ تحریف و تبدیل ہے جو ان کے دین میں واقع ہوئی اور اسی وجہ سے پرانے دین بدلتے رہے۔ کبھی تبدیل و ترمیم کے ذریعہ اور کبھی ابطال و نسخ کے ذریعہ۔

لیکن یہ دین کبھی منسوخ ہونے والا نہیں۔ البتہ اس میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اس کے اندر تحریف و تبدیل و کذب و کتمان کے ذریعہ حق کو باطل سے ملا دیں گے مگر ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگ بھی پیدا کرتا رہے جو رسول ﷺ کی جانشینی کا فرض ادا کر کے خلق پر حجت قائم کریں گے۔ دین کو اہل غلو کی تحریف، باطل پرستوں کے افتراء اور جاہلوں کی تاویل سے پاک کریں گے ﴿لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ﴾ (الانفال:۸)

پس یہ اسماء و القاب اس تعداد و ترتیب درجات کے ساتھ ہر زمانہ میں حق نہیں بلکہ ان کا عموم و اطلاق صاف طور پر باطل ہے کیوں کہ مومن کبھی کم ہوں گے اور

کبھی زیادہ۔ ان میں کبھی سابقون المقربون کی تعداد کم ہوگی اور کبھی بڑھ جائے گی۔ پھر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل بھی ہوں گے۔ کیوں کہ مومنین ومتقین واولیاء اور ان میں سے جنھیں سابقون المقربون کا درجہ ملا ہے ان کے لیے یہ ضروری نہیں کہ ہمیشہ ایک ہی مقام پر رہیں اور اپنی جگہ سے نہ ہلیں اور عملاً یہ واقع بھی ہو چکا ہے۔ چنانچہ خود رسول اللہ ﷺ جب مبعوث ہوئے تو مکہ میں صرف چند ہی آدمی ایمان لائے جو شروع میں سات سے بھی کم تھے پھر چالیس سے کم تھے، پھر ستر سے کم تھے، پھر تین سو سے کم تھے۔ پس معلوم ہوا کہ موسنین اولین کی تعداد اتنی بھی نہ تھی جتنی یہ لوگ ان اسماء و القاب کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ان میں کفار ومشرکین کا شمار نہیں ہو سکتا۔ مکہ کی زندگی کے بعد رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے مدینہ کو ہجرت کی، کون مدینہ؟ وہ جو دار ہجرت وسنت ونصرت تھا۔ مستقر نبوت تھا، مقام خلافت تھا، وہیں خلفائے راشدین: ابوبکر وعمر وعثمان وعلی (رضی اللہ عنہم) کی بیعت منعقد ہوئی (گو حضرت علیؓ بعد میں باہر چلے گئے) پس بقول ان کے ''غوث'' مکہ ہی میں کیوں کر ہو سکتا ہے، جب کہ یہ خلفاء راشدین مدینہ میں تھے اپنے زمانہ میں سب سے افضل تھے اور مکہ میں کوئی شخص بھی ان سے بلند رتبہ نہ تھا۔

پھر اسلام دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلا اور مومنین صادقین اولیاء اللہ المتقین بلکہ صدیقین السابقین المقربین ہر زمانہ میں موجود تھے۔ نہ صرف تین سو، نہ صرف تین ہزار بلکہ اتنے جن کا شمار بجز اللہ کے کوئی نہیں کر سکتا۔ جب خیر القرون ختم ہو گئیں تو قرون خالیہ میں بھی اولیاء اللہ المتقین بلکہ سابقین بکثرت موجود رہے جن کی تعداد کو صرف تین سو میں محدود کرنے والا دانستہ یا نادانستہ ان پر ظلم کرتا ہے۔

غوث اور غیاث کہلانے کا مستحق بجز اللہ کے اور کوئی نہیں ہو سکتا، وہی قادر وقوی غیاث المستغیثین ہے۔ وہی غوث المنکوبین ہے کسی کے لیے جائز نہیں کہ اسے چھوڑ کر کسی

ماسوا سے استغاثہ کرے، نہ مقرب فرشتہ سے، نہ نبی مرسل ﷺ سے، نہ ولی سے۔
اور جو کوئی یہ کہتا ہے کہ زمین والوں کی دعائیں، مرادیں، منتیں، پہلے تین سو نجباء کے پاس پہنچتی ہیں اور وہ انھیں ستر کے سامنے لے جاتے ہیں اور یہ ستر چالیس ابدال کے سامنے اور ابدال سات قطب کے سامنے اور قطب چار اوتاد کے سامنے اور وہ غوث کے سامنے تو ایسا شخص جھوٹا ہے، گمراہ ہے، مشرک ہے۔ مشرکوں کی حالت اللہ نے یہ بیان کی ہے:

﴿ وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِى الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ج ﴾

(بنی اسرآئیل: ٦٧)

جب تمھیں سمندر میں تکلیف پہنچتی ہے اللہ کے سوا جسے پکارتے ہو گم ہو جاتا ہے۔

اور فرمایا:

﴿ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ ﴾ (النمل: ٦٢)

لاچار و بے کس کی دعا کون سنتا ہے جب وہ اسے پکارتا ہے۔
پس یہ کیوں کر ممکن ہے کہ مومن اپنی حاجتیں اتنے واسطوں سے اس علام الغیوب تک پہنچائیں حالانکہ وہ فرماتا ہے:

﴿ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ ط اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ لا فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِىْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِىْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ﴾ (البقرة: ١٨٦)

جب تجھ سے میرے بندے، میری بابت سوال کریں تو میں قریب ہوں پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں، پس چاہیے کہ میرے حکم کو قبول کریں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ بھلائی پائیں۔
خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام نے اہل مکہ کے لیے دعاء کرتے ہوئے یہی

حقیقت بیان فرمائی ہے:

﴿ رَبَّنَآ اِنَّکَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِیْ وَ مَا نُعْلِنُ ط وَ مَا یَخْفٰی عَلَی اللّٰہِ مِنْ شَیْءٍ فِی الْاَرْضِ وَ لَا فِی السَّمَآءِ ۝ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ وَھَبَ لِیْ عَلَی الْکِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ ط اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ ﴾ (ابراھیم: ۳۸، ۳۹)

اے ہمارے رب، تو جانتا ہے اسے جو ہم چھپاتے اور ظاہر کرتے ہیں، اللہ سے زمین و آسمان میں کوئی چیز بھی مخفی نہیں ہے۔ تمام ستائش ہے اس اللہ کے لیے جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل و اسحٰق بخشے، میرا رب دعاء سننے والا ہے۔

اور خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ نے اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کو بار بار تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:

اَرْبِعُوْا عَلٰی اَنْفُسِکُمْ فَاِنَّکُمْ لَا تَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَ لَا غَائِبٌ وَاِنَّمَا تَدْعُوْنَ سَمِیْعًا قَرِیْبًا اِنَّ الَّذِیْ تَدْعُوْنَہٗ اَقْرَبُ اِلٰی اَحَدِکُمْ مِنْ عُنُقِ رَاحِلَتِہٖ۔ [1]

قابو میں رہو۔ تم کسی بہرے اور غیر موجود کو نہیں پکار رہے ہو، بلکہ سمیع و بصیر کو پکارتے ہو، جسے تم پکارتے ہو، وہ تمھاری سواری کی گردن سے بھی زیادہ تم سے قریب ہے۔

یہ بہت وسیع باب ہے اور تمام مسلمانوں نے پوری طرح جان لیا ہے کہ ان کی اور ان کے مشائخ کی حاجتیں براہ راست اللہ تعالیٰ کے حضور میں پہنچ جاتی ہیں اور یہ کسی کے لیے جائز نہیں کہ اپنے اور اس کے مابین ظاہر میں یا باطن میں کوئی واسطہ یا وسیلہ قرار دے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کی مشابہت سے برتر و اعلیٰ و منزہ ہے۔

---

[1] احمد: ۴/۴۰۲، فتح الباری: ۲/۵۰۹، صحیح مسلم: ۴/۲۰۷۶

وہ معاذ اللہ جباروں اور بادشاہوں کی طرح نہیں کہ اپنے در پر دربان اور مخبر کھڑے کرے' اس کا در ہمیشہ کھلا ہے اور اس کی نظریں دلوں کی گہرائیاں تک دیکھ رہی ہیں۔

اور یہ اعتقاد روافض کے اعتقاد کی قسم سے ہے کہ ہر زمانہ میں ایک امام معصوم کا ہونا ضروری ہے جو تمام مکلفین پر حجت ہو اور جس کے بغیر ایمان کامل نہیں مگر ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ امام ایک بچہ تھا اور چار سو چالیس سال پہلے ایک غار میں جا کر ایسا غائب ہوا کہ اب اس کا کوئی پتا نشان نہیں ملتا۔ جو لوگ اولیاء اللہ میں یہ مراتب قائم کرتے ہیں اس لحاظ سے وہ ایک حد تک روافض سے مشابہ ہیں۔ بلکہ یہ ترتیب وتعداد بعض وجوہ سے اسماعیلیہ ونصیریہ وغیرہ گمراہ فرقوں کی ترتیب وتعداد سے مشابہ ہے جو انھوں نے سابق، ثانی، ناطق، اساس، جسد وغیرہ کی اصطلاحوں میں قرار دی ہے کہ جس کی کوئی بنیاد نہیں۔

رہے اوتاد، تو بعض صوفیہ کے ہاں یہ لفظ ملتا ہے، چنانچہ کہتے ہیں فلاں اوتاد میں سے ہے اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ مخلوق کے دلوں میں دین وایمان اسی طرح مضبوط کرتا ہے جس طرح اس نے زمین اوتاد (میخ مراد پہاڑ) کے ذریعے مضبوط کر دی ہے، مگر اس میں بھی کسی خاص عدد یا جماعت کی تخصیص نہیں بلکہ ہر اس شخص پر اس کا اطلاق ہو سکتا ہے کہ جس کی یہ صفت ہو۔ پس ہر وہ انسان جس کے ذریعہ مخلوق میں علم وایمان کی مضبوطی ہوتی ہے بمنزلہ اوتاد عظیمہ وجبال راسخہ کے ہے اور جو ایسا نہ ہو اس کا حکم دوسرا ہے، لیکن اوتاد کو چار یا اسی طرح کے کسی عدد سے محدود کرنا درست نہیں۔ دراصل لوگوں نے منجموں کی تقلید میں انھیں چار قرار دیا ہے۔ منجم یہی کہتے ہیں کہ زمین کے چار اوتاد (میخ) ہیں جو اسے پلٹنے سے روکے ہوئے ہیں۔

قطب وابدال، شیخ طریقت وغیرہ

رہا لفظ ''قطب''، تو وہ بھی صوفیہ کے کلام میں ملتا ہے، کہتے ہیں فلاں قطب

ہے، مگر اس میں بھی کسی خاص تعداد کی قید نہیں۔ ہر وہ شخص جس پر دین کا یا دنیا کا معاملہ ظاہر میں یا باطن میں موقوف ہو اس معاملہ کا قطب ہے۔ عام اس سے کہ وہ معاملہ اس کے اپنے گھر کا ہو یا گاؤں یا شہر کا یا اس کے دین کا یا دنیا کا۔ ظاہر میں ہو یا باطن میں۔ ظاہر ہے اس بارے میں بھی سات یا کم زیادہ کی کوئی قید نہیں، کیوں کہ ممکن ہے کسی زمانہ میں دو یا تین شخص اللہ کے نزدیک مساوی درجہ کے ہوں اور یہ ضروری نہیں کہ ہر معاملہ میں صرف ایک ہی یا چار ہی شخص ایسے پائے جائیں جو دنیا بھر سے افضل ہوں لیکن قطبوں میں وہی شخص محمود ہے جو صلاح دین کا قطب ہو نہ کہ صرف صلاح دنیا کا۔ صوفیہ کے عرف میں قطب کے یہی معنی ہیں۔

اسی طرح لفظ بدل و ابدال بھی بہت سے صوفیہ کے کلام میں آیا ہے۔ رہی حدیث مرفوع اِنَّ فِیهِمُ الاَبْدَالَ اَرْبَعِینَ رَجُلاً کُلَّمَا مَاتَ رَجُلٌ اَبْدَلَهُ اللّٰهُ مَکَانَه' رَجُلاً [1] تو اغلب یہ ہے کہ کلام نبوی ﷺ سے نہیں کیوں کہ حجاز و یمن میں ایمان اس وقت سے تھا جب شام و عراق فتح بھی نہیں ہوئے تھے اور سراسر بلاد کفر و شرک تھے۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد میں اس نبوی پیش گوئی نے واقع ہو کر اس قسم کی تمام باتوں کا فیصلہ کر دیا کہ

تَمْرُقُ مَارِقَةٌ عَلٰی خَیْرِ فِرْقَةٍ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ یَقْتُلُهُمْ اَوْلٰی الطَّائِفَتَیْنِ بِالْحَقِّ۔ [2]

مسلمانوں کے سب سے اچھے گروہ پر ایک مارق [3] جماعت خروج کرے گی جسے وہ قتل کرے جو طرفین میں زیادہ حق پر ہوگا۔

---

[1] حلیۃ الاولیاء، ج ۱ ص ۸۔ یاد رہے ابدال سے متعلق کوئی ایک حدیث بھی صحیح نہیں ہے، تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے، سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ، علامہ البانی ج ۲ ص ۳۳۹، ۳۴۱۔

[2] صحیح مسلم، کتاب الزکوۃ حدیث: ۱۵۰۔ سنن ابی داؤد، حدیث: ۴۶۶۷، مسند احمد ج ۳ ص ۳۲، ۹۷

[3] خارجی دین سے خارج ہونے والی جماعت (بیان اللسان ص ۶۷۹)

اہل شام نے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی۔ امیر المومنین اور آپ کے ساتھی اولیٰ بالحق تھے اور اس طرح اہل شام سے افضل تھے۔ پھر اس جنگ میں شرکت کرنے والے صحابہؓ میں حضرت علیؓ کے ساتھ صحابہ مثل عمار و سہیل بن حنیف وغیرہ معاویہ کی طرف کے صحابہ، مثلاً عمرو بن العاص سے افضل تھے۔ اگر چہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ وغیرہ جنھوں نے جنگ سے پرہیز کیا۔ طرفین کے صحابہ سے افضل تھے۔ بنا بریں کیوں کر تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ ابدال جو افضل خلق ہیں سب کے سب شام میں ہوں اور کہیں نہ پائے جائیں۔ یہ قطعاً باطل ہے، بلا شبہ شام اور اہل شام کے لیے بھی فضائل آئے ہیں اور جو اپنی جگہ پر ثابت ہیں مگر اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک حد اور درجہ مقرر کر دیا ہے جس سے تجاوز کرنا خلاف دانش ہے۔ گفتگو ہمیشہ علم اور انصاف کے ساتھ ہونی چاہیے۔ نہ اٹکل اور ناانصافی سے، کیوں کہ دین میں جو کوئی بغیر علم کے گفتگو کرتا ہے اللہ کے اس قول میں داخل ہے۔

﴿ وَ لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ﴾ (بنی اسرآئیل: ۳۶)

اس چیز کے پیچھے نہ چل جس کا تجھے کچھ علم نہیں۔

اور

﴿ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ (البقرۃ: ۱۶۹)

یہ کہ تم اللہ کے نام پر وہ باتیں کہو جن کے متعلق تمھیں علم نہیں۔

اور جو عدل و انصاف چھوڑ کر گفتگو کرتا ہے اللہ کے اس قول سے باہر ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ ﴾

(النسآء: ۱۳۵)

ایمان والو! عدل کو خوب قائم کرنے والے اور اللہ کے گواہ بنو۔

اور ﴿ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا ﴾ (الانعام: ۱۵۲)

جب کہو تو انصاف کی کہو۔

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ﴾ (الحدید:۲۵)

ہم نے اپنے رسول نشانیوں کے ساتھ بھیجے اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف سے رہیں۔

جن لوگوں کے یہاں ابدال کی اصطلاح رائج ہے اس سے انھوں نے چند معانی مراد لیے ہیں۔ ''ابدال'' بدل کی جمع ہے اور ان کی اصطلاح میں ابدال کو ابدال اس لیے کہتے ہیں کہ جب ان میں سے کوئی مر جاتا ہے تو اللہ اس کی جگہ دوسرے لیے بدل دیتا ہے۔ یا اس لیے کہ ابدال نے اپنے اخلاق واعمال وعقائد کی برائیاں حسنات سے بدل دی ہیں۔ لیکن ظاہر ہے یہ صفت چالیس یا کم زیادہ سے مخصوص نہیں اور نہ کسی ایک سرزمین کے باشندوں میں محدود ہو سکتی ہیں۔ اسی قسم کے معانی نجباء کی اصطلاح میں بھی مراد لیے جاتے ہیں۔

ان اصطلاحوں کو علی الاطلاق نہ تسلیم کرنا چاہیے، نہ بالکل رد کر دینا چاہیے کیوں کہ ان کے معانی میں بعض معانی درست ہیں اور بعض غلط اور کتاب وسنت واجماع سے باطل ہیں۔ مثلاً بعضوں نے غوث کے معنیٰ یہ بیان کیے ہیں کہ اللہ اس کے واسطہ سے انسانوں کو روزی وتنگی اور تکلیف ومصیبت میں مدد ونصرت کرتا ہے، حالانکہ یہ خیال اسلام کے خلاف اور نصاریٰ کے عقیدہ کے مشابہ ہے جو وہ اس باب کے متعلق رکھتے ہیں کہ جس کا کہیں کوئی پتا نہیں یا امام منتظر کے عقیدہ کی طرح ہے جو اب سے چارسو چالیس سال پہلے غار میں جا کر غائب ہو گیا۔

جو کوئی یہ کہتا ہے کہ مخلوق کو صرف چالیس ابدال کے ذریعہ روزی اور مدد ملتی ہے صریح وہموں میں پڑا ہے۔ روزی اور کامیابی کا مدار اسباب پر ہے جن میں سب سے قوی سبب مومن مسلمانوں کی دعاء، نماز اور اخلاص ہے اور یہ چالیس یا کم زیادہ میں محدود نہیں جیسا کہ مشہور حدیث میں مروی ہے کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے عرض

کی یارسول اللہ ﷺ:

اَلرَّجُلُ یَکُوْنُ حَامِیَةَ الْقَوْمِ اَیُسْهَمُ لَهٗ مِثْلَ مَا یُسْهَمُ لِضُعَفَائِهِمْ ؟ فَقَالَ یَا سَعْدُ وَهَلْ تُنْصَرُوْنَ وَ تُرْزَقُوْنَ اِلَّا بِضُعَفَائِکُمْ بِدُعَائِهِمْ وَ صَلَاتِهِمْ وَ اَخْلَاصِهِمْ۔

وہ شخص جو جنگ کی صفوں میں ہے اسے بھی اتنا ہی حصہ ملے گا جتنا کمزوروں اور لاچاروں کو؟ فرمایا: اے سعد تمھیں جو کچھ فتح اور رزق ملتا ہے وہ تمھارے کمزوروں ہی کی وجہ سے ملتا ہے۔ ان کی دعاء نماز اور اخلاص کی وجہ سے۔

اور کبھی روزی و فتح مندی کے دوسرے اسباب ہوتے ہیں۔ چنانچہ کفار و فجار کو بھی کبھی دولت و نصرت ملتی ہے اور مسلمانوں پر کبھی قحط و وبا نازل ہوتی ہے۔ رب تعالیٰ انھیں دشمنوں سے ڈراتا بھی ہے تاکہ اس کی طرف رجوع کریں۔ گناہوں سے توبہ کریں اور وہ ذات پاک ایک طرف ان کے گناہ معاف کردے اور دوسری طرف مصائب و آلام دور کر کے شادکام کردے۔ پھر کبھی وہ کفار کو ڈھیل دیتا ہے، ان پر مینہ برساتا ہے، ان کے مال و اولاد میں ترقی دیتا ہے﴿ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴾(الاعراف: ۱۸۲) تاکہ یا تو دنیا ہی میں سختی سے پکڑے جائیں یا آخرت میں دوہرے عذاب میں گرفتار ہوں۔ یاد رکھنا چاہیے ہر خوشی نعمت نہیں اور نہ ہر سختی عقوبت ہے، فرمایا:

﴿ فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ رَبُّهٗ فَاَکْرَمَهٗ وَ نَعَّمَهٗ فَیَقُوْلُ رَبِّیْٓ اَکْرَمَنِ ۝ وَ اَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ فَقَدَرَ عَلَیْهِ رِزْقَهٗ فَیَقُوْلُ رَبِّیْٓ اَهَانَنِ ۝ کَلَّا ﴾ (الفجر: ۱۵ تا ۱۷)

انسان کا یہ حال ہے کہ جب اس کا رب اسے آزماتا ہے، پس اسے عزت و نعمت دیتا ہے تو کہتا ہے میرے رب نے مجھے معزز کیا ہے اور جب اس

پر امتحان کی راہ سے رزق تنگ کرتا ہے تو کہتا ہے میرے رب نے مجھے ذلیل کیا، ہرگز نہیں۔

کیا ولی اچانک غائب ہو جاتے ہیں؟

اولیاء وانبیاء ومرسلین میں کوئی ایسا نہیں ہوا جو ہمیشہ لوگوں کی نظروں سے غائب رہتا ہو بلکہ یہ تو ویسی ہی بات ہے جیسی حضرت علیؓ کے متعلق گمراہ کہتے ہیں کہ آپ بادلوں میں ہیں یا یہ کہ محمد بن حنفیہ رضوی پہاڑ میں ہیں' یا یہ کہ محمد بن الحسن سامرا کے غار میں ہیں' یا یہ کہ حاکم بامر اللہ فاطمی المقطم پہاڑ میں ہیں۔ یا یہ کہ ابدال رجال الغیب' کون لبنان میں چھپے بیٹھے ہیں۔

یہ اور اس قسم کے تمام اقوال محض کذب و بہتان ہیں۔ بلاشبہ کبھی کسی کسی شخص کے حق میں خرق عادت ہوتا ہے اور وہ لوگوں کی نظر سے دشمن کے ڈر یا کسی اور وجہ سے مخفی بھی ہو جاتا ہے لیکن علی الاطلاق دعویٰ کرنا کہ یہ لوگ عمر بھر غائب رہتے ہیں۔ قطعاً باطل ہے۔ ہاں اگر اس سے مقصود یہ ہے کہ اپنے قلبی نور باطنی ہدایت اور انوار و اسرار و امانت و معرفت الٰہی میں محویت کی وجہ سے ولی دنیا میں ہونے کے باوجود دنیا والوں سے غائب رہتا ہے یا یہ کہ اس کی صلاح و ولایت کور بصروں سے مخفی رہتی ہے تو یہ درست اور امر واقع ہے۔ اللہ اور اس کے اولیاء کے مابین بہت سے اسرار ایسے ہوتے ہیں جنھیں اکثر لوگ نہیں جانتے۔

خاتم الاولیاء

لفظ غوث کا علی الاطلاق بطلان ہم بیان کر چکے ہیں جس میں غوث عرب' غوث عجم' غوث مکہ اور ساتواں قطب سب داخل ہیں۔ اسی طرح لفظ خاتم الاولیاء بھی ایک بے معنی اور باطل لفظ ہے۔ سب سے پہلے جس شخص نے یہ لفظ استعمال کیا وہ محمد بن علی الحکیم الترمذی ہے۔ ایک خاص گروہ نے یہ لقب اختیار کر لیا ہے اور اس کا ہر فرد

خاتم الاولیاء ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ مثلاً ابن حمویہ اور ابن العربی وغیرہ۔ یہی نہیں بلکہ ساتھ ساتھ یہ دعویٰ بھی کیا جاتا ہے (معاذ اللہ) بعض اعتبارات سے ہم رسول اللہ ﷺ سے بھی افضل ہیں اور یہ تمام کفریہ دعویٰ محض اس لالچ میں کہ خاتم الانبیاء (ﷺ) کی مسند ریاست مل جائے۔

حالانکہ یہ لوگ سخت غلطی اور گمراہی پر ہیں۔ خاتم الانبیاء ﷺ کو سب سے افضل اس لیے کہا گیا ہے کہ نصوص و دلائل ثبوت میں موجود ہیں۔ برخلاف اولیاء کے جنھیں یہ بات حاصل نہیں۔ اس امت میں سب سے افضل وہ اولیاء ہیں جو مہاجرین و انصار میں سابقون الاولون ہیں اور اس امت کے نبی کے بعد سب سے افضل ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ہیں اور اس کے زمانوں میں سب سے افضل وہ زمانہ ہے جس میں اس کے نبی کی بعثت ہوئی۔ پھر وہ زمانے ہیں جو بعد میں آتے گئے۔ رہا خاتم الاولیاء تو اگر واقعی اس کی کوئی حقیقت ہے تو وہ آخری مومن متقی ہے جو اس دنیا میں باقی رہ جائے لیکن وہ نہ تو خیر الاولیاء ہوگا اور نہ افضل الاولیاء کیوں کہ خیر الاولیاء و افضل الاولیاء ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ہیں کہ (انبیاء کے بعد) جن سے افضل پر کبھی سورج نہ طلوع ہوا' نہ غروب ہوا اور نہ کبھی ہوگا۔

قلندری۔۔صوفیہ کی ایک قسم

رہے یہ داڑھی منڈے قلندر تو جاہل و گمراہ ہیں' ضلالت و جہالت کے مجسمے ہیں' ان میں سے اکثر اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کرتے ہیں' نماز و روزہ کو واجب نہیں جانتے۔ جو کچھ اللہ اور رسول ﷺ نے حرام کیا ہے اسے حرام نہیں سمجھتے۔ دین حق کو نہیں مانتے بلکہ ان میں سے بہت سے یہود و نصاریٰ سے بھی زیادہ کافر ہیں۔ وہ نہ اہل ملت ہیں' نہ اہل سنت۔ ممکن ہے ان میں کوئی مسلمان بھی ہو لیکن بہر حال یا مبتدع و گمراہ ہے یا فاسق و فاجر ہے۔ جو کوئی یہ کہتا ہے کہ قلندر عہد نبوی میں موجود تھا' مفتری و کذاب ہے۔

اس فرقہ کی اصلیت یہ بیان کی گئی ہے کہ شروع میں ایرانی صوفیوں کی ایک جماعت تھی جو اداء فرائض و واجبات اور اجتناب محرمات کے بعد راحت قلب کی جستجو و عمل میں رہتی تھی (ابوحفصؒ سہروردی نے اپنے ''عوارف'' میں بیان کیا ہے) مگر بعد میں اس نے واجبات ترک کر دیے اور ملامتیہ فرقہ کی طرح ظاہر میں محرمات کا ارتکاب کیا کہ اپنی نیکیاں چھپاتا اور ظاہری حالت ایسی رکھتا ہے کہ اس کی موجودگی میں اس کے صلاح وتقویٰ کا خیال نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں تک بھی غنیمت تھا کیوں کہ ایسی حالت رکھنے والا اپنی نیک نیتی کی بنا پر ماٗجور ہے۔ اس کے بعد حالت اور بدتر ہو گئی اور اس فرقہ کے لوگ سراسر مکروہات میں پڑ گئے پھر معاملہ اور آگے بڑھا۔ ان کی ایک جماعت فواحش ومنکرات ومُحرمات میں غرق ہو گئی۔ فرائض و واجبات ترک کر دیے اور یہ خیال کر بیٹھی کہ اس طرح ملامتیہ فرقہ میں داخل ہو گئی۔ واقعی یہ لوگ اپنے صرف اس خیال میں بالکل سچے ہیں کیوں کہ ''ملامیہ'' بن کر وہ دنیا و آخرت میں اللہ کی طرف سے ملامت وخواری کے مستحق ومورد ہو گئے ہیں۔

ان سب کو تعزیر وتنبیہ واجب اور انھیں اس ملعون شعار سے روکنا ضروری ہے۔ صرف انہی کو نہیں بلکہ ہر اس شخص کو جو بدعت و فجور کا ارتکاب کرے یا لوگوں کی اعانت کرے اس قسم کے تمام نام نہاد ناسک' فقیہ' عابد' فقیر' زاہد' متکلم' فلسفی اور ان کے معین و مددگار بادشاہ امراء کتاب' محاسب' اطباء اہل دیوان' عوام سب کے سب ہدایت الٰہی اور دین حق سے خارج ہیں کہ جسے دے کر اللہ نے اپنے رسول کو باطناً و ظاہراً مبعوث کیا۔ یہی حکم ان لوگوں کا ہے جو اعتقاد رکھتے ہیں کہ شیخ طریقت رزق دیتا ہے امداد واعانت کرتا ہے۔ ہدایت بخشتا ہے' مشکلات میں دستگیری کرتا ہے یا جو شیخ کی عبادت کرتے ہیں اس سے دعا مانگتے ہیں' اسے سجدہ کرتے ہیں یا اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر علی الاطلاق یا کسی جہت سے بھی فضیلت دیتے ہیں یا یہ یقین کرتے ہیں کہ ان کا وہ شیخ رسول کے اتباع سے مستغنی ہے۔ سو یہ تمام کے تمام کفار ہیں۔ اگر اپنے

مسلک کا اظہار کریں اور اگر چھپائیں تو منافق ہیں۔

اس زمانہ میں ان لوگوں کی کثرت وشوکت ان کے اہل حق ہونے کی دلیل نہیں کیوں کہ ان کا یہ تمام عروج محض اس وجہ سے ہے کہ اکثر مما لک میں دعاۃ علم و ہدایت کی قلت ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے والوں میں کمی آ گئی ہے۔ اکثر لوگوں کے اعمال کتاب وسنت کے مطابق نہیں ہیں۔ حالانکہ کتاب و سنت ہی ہدایت کی شناخت کا ذریعہ ہے اور بہت سے ایسے بھی ہیں جن کے کان اب تک حق کی صداؤں سے بالکل ناآشناء ہیں' لیکن اہل ایمان کو مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ ایسے زمانے میں انسان کو اس کے قلیل ایمان پر ثواب ملتا ہے اور ارحم الراحمین اس شخص کے لیے جس پر حجت قائم نہیں ہوئی وہ باتیں معاف کر دیتا ہے جو ان لوگوں کو معاف نہیں ہو سکتیں جن پر حجت قائم ہو چکی ہو جیسا کہ حدیث مشہور میں ہے کہ فرمایا:

يَاْتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لاَ يَعْرِفُوْنَ فِيْهِ صَلٰوةً وَ لاَ صِيَامًا وَلاَ حَجًّا وَّ لاَ عُمْرَةً اِلَّا الشَّيْخَ الْكَبِيْرَ وَالْعَجُوْزَ الْكَبِيْرَ يَقُوْلُوْنَ اَدْرَكْنَا اٰبَائَنَا وَهُمْ يَقُوْلُوْنَ لاَ اِلٰـهَ اِلَّا اللهُ۔

لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ وہ نہ نماز جانیں گے نہ روزہ' حج' نہ عمرہ بجز بوڑھوں ور بڑھیوں کے جو کہیں گے ہم نے اپنے بزرگوں کو لاَ اِلٰـــهَ اِلَّا اللهُ کہتے سنا ہے۔

اس پر حضرت حذیفہ بن الیمان سے سوال کیا گیا: '' لا يغنى عنهم لا اله الا الله (لا الـه الا الله سے انھیں کوئی فائدہ نہ ہوگا) فرمایا: تـنـجيهـم مـن الـنـار' تـنـجيهـم مـن الـنـار' تنجيهم من النار انھیں دوزخ سے بچائے گا' دوزخ سے بچائے گا۔ دوزخ سے بچائے گا۔

اصل اس باب میں یہ ہے کہ ہر وہ قول جو کتاب یا سنت یا اجماع امت سے کفر ثابت ہے اس پر دلیل شرعی کی وجہ سے کفر کا حکم لگایا جائے اور یہ اس لیے کہ ایمان صرف

ان احکام سے ماخوذ ہے جو اللہ اور اس کے رسول سے ہم کو پہنچے ہیں اور جن میں لوگوں کے لیے اپنے ظنون و اوہام کی بنا پر خیال آرائیاں جائز نہیں ہیں، مگر ساتھ یاد رکھنا چاہیے کہ ہر کفریہ قول کے قائل پر کافر ہونے کا حکم نہ لگایا جائے گا۔ یہاں تک کہ اس کے حق میں کفر کی شرطیں ثابت اور موانع دور ہو جائیں۔ مثلاً اگر کوئی تازہ نومسلم صحرا کا رہنے والا بدو کہہ دے کہ شراب یا سود حلال ہے یا اللہ اور رسول کا کلام سن کر انکار کر بیٹھے کہ یہ قرآن یا حدیث نہیں ہے جیسا کہ سلف میں بعض لوگ کسی کسی بات کا انکار کر دیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اس کی صحت معلوم ہو جائے اور جیسا کہ بعض صحابہؓ بھی کسی مسئلہ میں شک کرنے لگتے تھے۔ (مثلاً رویۃ الٰہی وغیرہ مسائل) یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتے۔ یا جیسا کہ ایک شخص کی حکایت مروی ہے کہ اس نے کہا کہ جب میں مروں تو مجھے آگ میں جلا دینا اور میری خاک سمندر میں جھڑک کر بہا دینا تا کہ میں اللہ کی نظر سے گم ہو جاؤں وغیرہ اقوال تو گو وہ کفر ہیں مگر ان کا قائل کافر نہیں۔ یہاں تک کہ حجت قائم ہو جائے، جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے:

﴿لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ﴾

(النسآء: ۱۶۵)

تا کہ رسولوں کے بعد لوگوں کے لیے اللہ کے سامنے کوئی عذر باقی نہ رہے۔

اور جیسا کہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے خطاء و نسیان کو اس کے حق میں معاف کر دیا ہے۔ اس استفسار کے اصولی مسائل پر ہم دوسری کتابوں میں مفصل بحث کر چکے ہیں۔ یہ جواب اس سے زیادہ تفصیل کا متحمل ہے۔

نذر نیاز اور منت ماننا

رہا قبور یا اہل قبور یا پرستاران قبور کو نذر پیش کرنا عام اس سے کہ انبیاء کی قبریں ہوں یا اولیاء و صالحین کی تو وہ نذر حرام، باطل اور بتوں کی نذر سے مشابہ ہے۔ عام اس سے کہ تیل کی ہو یا موم بتیوں کی یا کسی اور چیز کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا:

لَعَنَ اللهُ زَوَّارَاتِ الْقُبُوْرِ وَالْمُتَّخِذِيْنَ عَلَيْهَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ ❶

قبروں پر جانے والیوں اور ان کو مسجدیں قرار دینے اور چراغ جلانے والوں پر اللہ کی لعنت ہے۔

اور فرمایا:

لَعَنَ اللهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ ❷

یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت کہ انبیاء کی قبروں کو مسجد قرار دے لیا۔

اس حدیث میں اہل کتاب کے اس عمل سے ڈرایا گیا ہے اور فرمایا:

اِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوْا يَتَّخِذُوْنَ الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ اَلَا فَلَا تَتَّخِذُوْا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ فَاِنِّيْ اَنْهَاكُمْ عَنْ ذٰلِكَ۔ ❸

تم سے پہلے لوگ قبروں کو مسجد بناتے تھے۔ دیکھو قبروں کو مسجد نہ بنانا' میں تمھیں اس سے منع کیے دیتا ہوں۔

اور فرمایا:

اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِيْ وَثَنًا يُّعْبَدُ بَعْدِيْ۔ ❹

اے اللہ، میری قبر کو بت نہ بنا کہ میرے بعد پوجی جائے۔

تمام ائمہ دین متفق ہیں کہ قبروں پر مساجد کا بنانا پردوں کا لٹکانا ان سے منتیں ماننا' ان کے نزدیک سونا چاندی رکھنا ناجائز ہے اور اس قسم کے مال کا حکم یہ ہے کہ اسے لے کر مسلمانوں کے قومی کاموں میں صرف کر دیا جائے۔ اگر اس کا کوئی معین مستحق نہ

---

❶ رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی والحاکم من حدیث ابن عباس بلفظ زائرۃ

❷ رواہ الشیخین وغیرہما عن عائشۃ ❸ صحیح مسلم عن عائشۃ نیز حدیث میں تصریح ہے کہ آپ نے یہ وصال سے پانچ دن پہلے فرمایا تھا ❹ رواہ مالک فی الموطا

ہو پھر اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ وہ تمام مسجدیں گرادی جائیں جو قبروں پر بنائی گئی ہیں۔خواہ وہ کسی کی بھی قبر پر کیوں نہ ہو' کیوں کہ اسباب بت پرستی میں ایک بہت بڑا سبب ہے۔فرمایا:

﴿ وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّ لَا يَغُوْثَ وَ يَعُوْقَ وَنَسْرًا ۚ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ ﴾(نوح:۲۳،۲۴)

انھوں نے کہا نہ ود کو، نہ سواع کو، نہ یغوث و یعوق و نسر کو چھوڑنا کہ انھوں نے بہتوں کو گمراہ کیا ہے۔

علماء سلف کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ ود سواع و یغوث وغیرہ صالح لوگوں کے نام ہیں۔جب وہ مر گئے تو لوگوں نے ان کی قبریں بنائیں۔ان کی تعظیم کرتے کرتے ان کی بھی عبادت کرنے لگے نیز ائمہ کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ نَذَرَ اَنْ يُطِعِ اللهَ فَلْيُطِعْهُ' وَ مَنْ نَذَرَ اَنْ يَعْصِيَ اللهَ فَلَا يَعْصِهٖ۔ [1]

جس نے اللہ کی اطاعت کے لیے منت مانی، اطاعت کرے اور جس نے اللہ کی نافرمانی کے لیے مانی ہرگز نافرمانی نہ کرے۔

لیکن اس پر کفارہ یمین ہے۔جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔

لَا نَذْرَ فِيْ مَعْصِيَةٍ وَّ كَفَّارَتُه' كَفَّارَةُ يَمِيْنٍ۔ [2]

معصیت میں نذر نہیں ہے اور اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے۔

لیکن بعض ایسی نذر ماننے والے پر کوئی کفارہ بھی واجب نہیں ٹھہراتے اور صرف توبہ واستغفار کو کافی سمجھتے ہیں۔بہتر یہ ہے کہ جتنی نذر مانی ہو اسی قدر جائز و مشروع کاموں میں صرف کر دیا جائے۔مثلاً اگر روشنی کی نذر ہے تو اس کا تیل مساجد کی روشنی

---

[1] بخاری و احمد و السنن الاربعہ عن عائشۃ [2] احمد و اصحاب سنن عن عائشۃ

میں صرف کر دے۔ اگر نقد کی نذر ہے تو اسے غریب مسلمانوں کی اصلاح حال میں لگا دے خواہ وہ غریب مسلمان خود پیر یا پیر کے عزیز ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ حکم عام ہے، کسی قبر سے رجوع کرنا جائز نہیں۔ نہ سیدہ نفیسہ کی قبر سے اور نہ نفیسہ سے بڑوں کی قبر سے عام اس سے کہ صحابہؓ ہوں۔ مثلاً طلحہؓ و زبیرؓ وغیرہ جن کی قبریں بصرہ میں ہیں یا حضرت سلمان فارسیؓ جو عراق میں دفن ہیں یا اہل بیت ہوں مثلاً وہ قبریں جو حضرت علیؓ اور ان کے خاندان امام حسینؓ۔ موسیٰؒ۔ جعفرؒ وغیرہ کی طرف منسوب ہیں یا صالحین ہوں۔ مثلاً معروف کرخی، احمد بن حنبل وغیرہ کی قبریں۔

اور جو کوئی یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ قبروں کی نذر ماننے سے کسی قسم کا بھی کوئی نفع یا ثواب حاصل ہوتا ہے تو وہ گمراہ اور جاہل ہے' کیوں کہ حدیث صحیح میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منت سے منع کیا ہے' اور فرمایا:

اِنَّہٗ لَا یَأْتِیْ بِخَیْرٍ وَ اِنَّمَا یُسْتَخْرَجُ بِہٖ مِنَ الْبَخِیْلِ۔ [1]

اور اس سے کچھ بھی نہیں ہوتا' صرف بخیل سے مال نکلوانے کا ذریعہ ہے۔

دوسری روایت میں ہے:

اِنَّمَا یَلْقِیْ اِبْنَ اٰدَمَ اِلَی الْقَدَرِ۔

ابن آدم تقدیر کے سامنے ڈال دیا جاتا ہے۔

جب اطاعت کی نذر کا یہ حال ہے تو معصیت کی نذر کا کیا حال ہوگا۔

پس جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ قبروں سے منت ماننا' اللہ سے مرادیں حاصل کرنے کا ذریعہ ہے یا اس سے مصائب دور ہوتے ہیں، رزق کھلتا ہے' جان و مال و ملک کی حفاظت ہوتی ہے تو وہ کافر بلکہ مشرک ہے اور اس کا قتل شرعاً واجب ہے۔ یہی حکم ان لوگوں کا بھی ہے۔ جو قبروں کے علاوہ دوسروں کے متعلق یہ اعتقاد رکھتے ہیں

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الایمان و النذور میں اسی مفہوم کی کئی احادیث ہیں، الفاظ قدرے مختلف ہیں۔ صحیح مسلم، کتاب النذر، باب النھی عن النذر۔ حدیث: ۴۲۲۹

خواہ وہ کیسے ہی بڑے مانے جاتے ہوں۔

﴿ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَ يَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ﴾

(بنیٓ اسرآئیل: ۵۶۔۵۷)

کہہ دے پکارو انھیں جن کو اللہ کے علاوہ تم خیال کیے بیٹھے ہو، وہ نہ تم سے برائی دور کر سکتے ہیں اور نہ بدل سکتے ہیں۔ یہ لوگ جنھیں پکارتے ہیں وہ خود ہی اپنے رب کی طرف اپنے میں سے قریب تر کا وسیلہ تلاش کرتے ہیں اور اس کی رحمت کی امید کرتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔

﴿ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَ مَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ۝ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ﴾ (سبا: ۲۲، ۲۳)

کہہ دے ان لوگوں کو جنھیں تم اللہ کے سوا خیال کر بیٹھے ہو، وہ آسمانوں میں نہ زمین میں ایک ذرہ کے بھی مالک ہیں نہ ان کی کچھ شرکت ہے اور نہ ان میں سے کوئی ان کا پشت پناہ ہے اس کے ہاں شفاعت فائدہ نہیں دیتی الا یہ کہ جس کے لیے وہ اجازت دے۔

﴿ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا شَفِيْعٍ ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴾ (السجدة: ۴)

وہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو ان کے مابین ہے چھ دن میں پیدا کیا۔ پھر عرش پر قائم ہوا۔ تمھارے لیے اس کے علاوہ نہ کوئی

دوست ہے، نہ شفیع کیا نہیں سمجھتے۔

﴿ وَ قَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْا اِلٰهَیْنِ اثْنَیْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ ﴾ (النحل: ۵۱)

اور اللہ نے فرمایا ہے۔ دو معبود نہ بناؤ' وہ تو معبود واحد ہے پس مجھی سے ڈرو۔

قرآن مجید کتب سماویہ اور تمام انبیاء صرف اس لیے مبعوث کیے گئے کہ اللہ وحدہ لاشریک لہ کی پرستش کی جائے اور اس کے ساتھ کوئی معبود نہ بنایا جائے۔ شرک کے لیے یہ ضروری نہیں کہ معبود باطل اللہ کا بالکل ہم رتبہ سمجھا جائے۔ بلکہ مخلوق و مصنوع کو بھی معبود بنانا شرک اور اللہ کی نظر میں سخت مبغوض ہے۔ چنانچہ مشرکین عرب بھی اپنے معبودان باطل کو مخلوق سمجھتے تھے۔ مگر باوجود اس کے مشرک قرار پائے وہ اپنے تلبیہ (لبیک کہنا) میں کہا کرتے تھے۔

لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ اِلَّا شَرِیْکًا هُوَ لَکَ تَمْلِکُهٗ وَمَا مَلَکَ (صحیح مسلم کتاب الحج باب التلبیة)

اے رب! میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں بجز ایک شریک کے اور وہ بھی تیرا ہی ہے، تو اس کا مالک ہے اور اس کی ملکیت کا مالک ہے۔

اسی طرح نبی ﷺ نے حصین الخزاعی سے دریافت کیا:

یَا حَصِیْنُ کَمْ تَعْبُدُ؟ قَالَ اَعْبُدُ سَبْعَةَ اٰلِهَةٍ :سِتَّةٌ فِی الْاَرْضِ وَوَاحِدٌ فِی السَّمَآءِ قَالَ فَمَنْ ذَالَّذِیْ تَعْبُدُهٗ لِرَغْبَتِکَ وَ رَهْبَتِکَ ؟ قَالَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ قَالَ یَا حَصِیْنُ فَاَسْلِمْ حَتّٰی اُعَلِّمَکَ کَلِمَاتٍ یَنْفَعُکَ اللّٰهُ بِهِنَّ فَلَمَّا اَسْلَمَ قَالَ قُلِ اللّٰهُمَّ اَلْهِمْنِیْ رُشْدِیْ وَقِنِیْ شَرَّ نَفْسِیْ۔ [1]

---

[1] سنن الترمذی: ۳۴۸۳

اے حصین، کتنوں کی عبادت کرتے ہو؟ کہا سات معبودوں کی عبادت کرتا ہوں چھ زمین پہ ہیں اور ایک آسمان میں۔ فرمایا اپنے لالچ اور خوف میں کس کی عبادت کرتے ہو؟ کہا جو آسمان پر ہے۔ فرمایا: اے حصین پس اسلام لا، تاکہ میں تجھے چند ایسے کلمے سکھا دوں جن سے اللہ تجھے نفع پہنچائے گا۔ وہ اسلام لے آیا۔ فرمایا: کہو اے اللہ مجھے میری ہدایت الہام کر اور مجھے میرے شر سے محفوظ رکھ۔

ناچنا گانا۔ حال کھیلنا

اور جو کوئی یہ کہتا ہے کہ انبیاء و ملائکہ سیٹی اور تالی پسند کرتے ہیں تو وہ جھوٹا ہے، انبیاء و ملائکہ نہیں بلکہ ابلیس اور اس کی ذریات یہ چیز پسند کرتے ہیں اسے سنتے آتے ہیں۔ ان گمراہوں پر اتراتے اور ان میں اپنی خبیث روح پھونکتے ہیں جیسا کہ طبرانی وغیرہ نے ابن عباس سے حدیث مرفوع میں روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ الشَّيْطَانَ قَالَ يَا رَبِّ اجْعَلْ لِّيْ بَيْتًا قَالَ بَيْتُكَ الْحَمَّامُ قَالَ اِجْعَلْ لِيْ قُرْاٰنًا قَالَ قُرْاٰنُكَ الشِّعْرُ قَالَ اجْعَلْ لِيْ مُؤَذِّنًا قَالَ مُؤَذِّنُكَ الْمِزْمَارُ۔ [1]

شیطان نے کہا: اے رب میرے لیے گھر مقرر کر دے۔ فرمایا تیرا گھر حمام ہے۔ کہا: میرے لیے قرآن مقرر کر دے، فرمایا: تیرا قرآن شعر ہے۔ کہا: میرے لیے مؤذن مقرر کر دے، فرمایا: تیرا مؤذن باجا ہے۔

نیز اللہ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے:

﴿ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ ﴾

(بنی اسرائیل ۶۴)

اور ان میں سے جس کو بہکا سکے اپنی آواز سے بہکا تا ہے۔

---

[1] المعجم الکبیر للطبرانی: ۳/ ۱۲ ۱/ ۲ ، ذم الهوی، ابن الجوزی ص ۱۵۵

سلف کی ایک جماعت نے اسکی تفسیر میں کہا ہے کہ شیطان کی آواز گانا ہے۔ یہ درست ہے اوراس میں گانے کے علاوہ وہ تمام آوازیں بھی داخل ہیں جو لوگوں کو فی سبیل اللہ سے ہٹانے کے لیے بلند کی جائیں۔ حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّمَا نُهِيتُ عَنْ صَوْتَيْنِ اَحْمَقَيْنِ فَاجِرَيْنِ صَوْتَ لَهْوٍ وَلَعِبٍ وَمَزَامِيرِ الشَّيْطَانِ وَ صَوْتَ لَطْمِ خُدُوْدٍ وَ شَقِّ جُيُوْبٍ وَ دَعَآءِ بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ ذَاتَ الْمُكَاءِ وَالتَّصْدِيَةَ۔ [1]

مجھے دو احمقانہ فاجر آوازوں سے منع کیا گیا ہے: لہو لعب اور شیطانی باجوں کی آواز سے اور منہ پیٹنے، گریبان پھاڑنے اور تالیوں اور سیٹیوں والی جاہلیت کی پکار (عبادت) کی آواز سے۔

شیطان ان گمراہوں پر کچھ اس طرح چھا جاتا ہے کہ وہ گانا سنتے سنتے مست ہو جاتے اور ناچنے کودنے لگتے ہیں۔

ان معاملات میں اسرار و حقائق [2] ہیں جنھیں اہل بصائر ایمانیہ و مشاہد ایقانیہ ہی مشاہدہ کر سکتے ہیں، لیکن شریعت کی راہ بالکل روشن اور صاف ہے جس کسی نے اس کا اتباع کیا اور بدعت کی بھول بھلیوں سے اجتناب کیا، ہدایت یاب اور دنیا و آخرت کی فلاح سے شادکام ہو گیا۔ اگر چہ وہ اسرار و حقائق کے ادراک سے بالکل محروم ہی کیوں نہ رہ گیا ہو۔ اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو مکہ کی راہ پر رہنما کے پیچھے جاتا ہے، راستہ میں ہر جگہ کھانا پانی پاتا ہے اگر چہ نہیں جانتا کہ یہ سامان وہاں کیوں کر مہیا ہوا، پھر منزل مقصود پر پہنچتا اور حج کی سعادت حاصل کرتا، برخلاف اس کے وہ ہے جو رہبر لیے بغیر نکل کھڑا ہوا، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ راستہ بھول جاتا

---

[1] طبقات لابن سعد: ۱/۱۳۸، الاستیعاب لابن عبدالبر: ۱/۲۵

[2] یعنی شیطان کے غلبہ واستیلا کے اسرار ہر کس و ناکس نہیں سمجھ سکتا۔

ہے، پھر یا تو ہلاک ہو جاتا ہے یا ایک مدت تک شقاوت و بدبختی کی وادیوں میں ٹھوکریں کھانے کے بعد راستہ پر آ جاتا ہے۔ رہنمائے حق رسول اللہ ﷺ ہیں جنھیں اللہ نے دنیا بھر کے لئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا، انھوں نے اس کے حکم سے حق کی دعوت دی، صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کی اور گمراہی کی راہوں پر پڑنے سے روک دیا۔ جو لوگ آپ کی پیروی کرتے ہیں نجات پاتے ہیں اور جو خودسری سے اعراض کرتے ہیں ہلاک ہوتے ہیں۔

رہے یہ گانے بجانے والے نام نہاد صوفی تو ان پر شیطان کے پھیرے کی علامتیں ہمیشہ ظاہر ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ ان کے منہ سے کف اڑتا ہے۔ درشت آوازیں نکلتی ہیں۔ خوفناک چیخیں بلند ہوتی ہیں۔ آوازوں کا اختلاف ان شیطانی مقاصد کے اختلاف کی وجہ سے ہوتا ہے جو ان کے اندر نشو ونما پاتے اور برانگیختہ ہوتے رہتے ہیں۔ چنانچہ کبھی نفسانی خواہشات کے ہجوم کی وجہ سے وجد مذموم ہوتا ہے کبھی مظلوموں پر غضب وعدوان کا زور ہوتا ہے۔ غرض کہ وہ تمام شیطانی اثرات موجود ہو جاتے ہیں جو شراب خور متوالوں پر ظاہر ہوتے ہیں اور یہ کچھ زیادہ عجیب نہیں کیوں کہ مطرب آواز کا نشہ کبھی مطرب شراب کی طرح اثر دکھاتا ہے اور ذکر الٰہی اور نماز سے روکتا ہے۔ دلوں سے حلاوت قرآن دور کر دیتا ہے، اس کے معانی کے فہم اور اس کے اتباع سے باز رکھتا ہے اور اس طرح ان گمراہوں کو ان لوگوں کے زمرہ میں داخل کر دیتا ہے جن کی نسبت فرمایا گیا ہے کہ لہو الحدیث خریدتے ہیں تاکہ سبیل اللہ سے گمراہ کریں۔ پھر وہ خود ان میں بغض وعداوت کی تخم ریزی کرتا ہے اور وہ اپنے شیطانی فاسد احوال کے ذریعہ ایک دوسرے کو قتل کرنے لگتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جس طرح بری نظر والا نظر مار کر قتل کر ڈالتا ہے۔ اسی لیے بعض علما نے کہا ہے کہ جب معلوم ہو جائے کہ وہ اپنے شیطانی احوال کے ذریعہ قتل کے مرتکب ہوئے ہیں تو ان پر حد یا دیت واجب ہے کیوں کہ وہ ظالم ہیں اور صرف اسی صورت میں خوش ہوتے ہیں کہ

محرمات اور اپنے شیطانی مقاصد کی تنفیذ کا موقع پائیں جیسا کہ ظالم بادشاہ ظلم کر کے خوش ہوتے ہیں۔

یہی حال کفار و مبتدعین و ظالمین کا ہے ممکن ہے ان میں کبھی زہد و عبادت پائی جائے جس طرح مشرکین و اہل کتاب میں کبھی دیکھی جاتی ہے اور جس طرح خوارج مارقین میں تھی جن کی بابت فرمایا گیا ہے۔

يُحَقِّرُ اَحَدُكُمْ صَلَاتَه' مَعَ صَلَاتِهِمْ وَ صِيَامَه' مَعَ صِيَامِهِمْ وَقِرَاءَتَه' مَعَ قِرَاءَتِهِمْ يَقْرَءُوْنَ الْقُرْاٰنَ لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ يَمْرُقُوْنَ مِنَ الْاِسْلَامِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ اَيْنَمَا لَقِيْتُمُوْهُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ فَاِنَّ فِيْ قَتْلِهِمْ اَجْرًا عِنْدَاللهِ لِمَنْ قَتَلَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

تم اپنی نماز ان کی نماز کے سامنے اور اپنا روزہ ان کے روزے کے سامنے اور اپنی تلاوت ان کی تلاوت کے سامنے حقیر جانو گے۔ قرآن پڑھیں گے مگر ان کے حلق سے آگے نہ بڑھے گا۔ اسلام سے اس طرح سے نکل جائیں گے جس طرح کمان سے تیر۔ جہاں کہیں انھیں پاؤ قتل کرو کیوں کہ ان کے قتل میں اللہ کے ہاں قاتل کے لیے قیامت کے دن ثواب ہے۔

اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ظواہر کے ساتھ ان میں احوال باطنہ بھی پائے جاتے ہیں' لیکن ان میں ظواہر و بواطن کی وجہ سے انھیں اولیاء اللہ سمجھ لینا غلطی ہے کیوں کہ ولی صرف وہی ہوسکتا ہے جو ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴾(یونس: ۶۳) (جو ایمان لائے اور پرہیزگار رہے) کے زمرہ میں ہو، اگرچہ ظاہر و باطن میں اسے قدرت و تمکن نہ بھی حاصل ہو کیوں کہ ولایت کے لیے قدرت و تمکن لازم نہیں۔ ولی اللہ کبھی صاحب قوت و شوکت ہوتا ہے اور کبھی ضعیف و کمزور۔ یہاں تک کہ اللہ کی نصرت آ کر

اس کے ضعف کو قوت سے بدل دے۔ اسی طرح عدو اللہ کبھی کمزور ہوتا ہے اور کبھی زبردست۔ یہاں تک کہ اللہ کا دست انتقام دراز ہو اور اس کے پر نخوت سر پر ذلت کی خاک پڑ جائے۔ پس تاتاریوں کے باطنی خضراء اسی جنس سے ہیں، جس جنس سے ان کے ظاہری خضراء ہیں۔ رہا غلبہ تو وہ ہمیشہ دلیل حق نہیں، اللہ کبھی مومنوں پر کفار کو غالب کرتا ہے اور کبھی مومن کافروں پر فتح یاب ہوتے ہیں جیسا کہ اصحاب رسول اللہ ﷺ کا اپنے دشمنوں سے حال تھا۔ لیکن نتیجہ میں کامیابی بہرحال متقین ہی کے لیے ہے کیوں کہ اللہ نے فرمادیا ہے:

﴿ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ﴾ (المؤمن: ۵۱)

ہم اپنے رسولوں اور مومنین کو دنیا میں اور حاضر ہونے کے دن میں مدد دیں گے۔

اگر مسلمان کمزور ہوں اور کافر زبردست تو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ کمزوری و پستی مسلمان کے کفران وعصیان کا نتیجہ ہے۔ جیسا کہ اللہ نے فرمادیا ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ﴾ (آل عمران: ۱۵۵)

جنگ کے دن تم سے جنھوں نے پیٹھ پھیر دی انھیں شیطان نے ان کے بعض گناہوں کی وجہ سے ڈگمگایا۔

اور فرمایا:

﴿ اَوَ لَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ ﴾ (آل عمران: ۱۶۵)

اور کیا جب تمھیں مصیبت پہنچی تم نے بھی یقیناً مصیبت پہنچائی۔ تم نے کہا یہ (مصیبت) کہاں سے آئی؟ کہہ دے یہ تمھاری اپنی طرف سے آئی۔

اور فرمایا:

﴿ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُه‘ ط اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِيْزٌ ○ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ط وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴾ (الحج: ۴۰۔۴۱)

اور البتہ اللہ مدد کرتا ہے اس کی جو اس کی مدد کرتا ہے۔ اللہ قوی و غالب ہے۔ وہ جنھیں ہم زمین میں مضبوط کریں، نماز قائم کریں' زکوٰۃ دیں، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کریں۔

مشہور مزارات اور خانقاہیں

رہے یہ مشہور مقابر و مزارات تو ان میں سے بعض قطعاً فرضی ہیں، مثلاً دمشق میں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور اویس قرنی رحمہ اللہ کی قبر، لبنان میں حضرت نوح علیہ السلام کی قبر، مصر میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی قبر۔ غرض کہ شام و عراق و مصر اور دیگر ممالک اسلامیہ میں بیشمار قبریں ایسی ہیں جو محض فرضی ہیں۔ اسی بنا پر بہت سے علماء نے جن میں عبدالعزیز کنانی بھی ہیں، یہ فرمایا ہے کہ یہ بہت سی قبریں جو مختلف انبیاء کرام کی طرف منسوب ہیں ان میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور بقول بعض حضرات حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر کے اور کسی کی قبر کے اور کسی کی نسبت بھی صحیح نہیں ہے کیوں کہ ان کی حفاظت و معرفت اور ان پر قبوں اور مسجدوں کی تعمیر شریعت اسلام میں مقبول نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام باتوں سے منع فرمایا ہے جو آج کل مبتدع ان قبروں کے باب میں کرتے ہیں، مثلاً صحیح مسلم میں جندب بن عبداللہ کی روایت ہے:

سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ اَنْ يَّمُوْتَ بِخَمْسٍ وَهُوَ يَقُوْلُ اَنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوْا يَتَّخِذُوْنَ الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ اَلَا تَتَّخِذُوْا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ فَاِنِّیْ اَنْهَاكُمْ عَنْ ذٰلِكَ۔

میں نے نبی ﷺ کو وصال سے پانچ دن پہلے یہ فرماتے سنا: تم سے پہلے لوگ قبروں کو مسجد بناتے تھے، خبردار تم قبروں کو مسجدیں نہ بنانا۔ میں تمھیں اس سے منع کیے دیتا ہوں۔

اور فرمایا:

لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَآءِ هِمْ مَسَاجِدَ۔

یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد قرار دے لیا۔

ائمہ اسلام متفق ہیں کہ ان عمارتوں کا قبروں پر بنانا، انھیں مسجد قرار دینا ان کے نزدیک نماز پڑھنا، ان پر اعتکاف کرنا ان سے استغاثہ کرنا، ان کے سامنے تہلیل و تکبیر بلند کرنا وغیرہ، سب کام غیر مشروع ہیں۔ قبرستانوں میں نماز مکروہ ہے اور اکثر کے نزدیک ایسی نماز باطل ہے کیوں کہ اس سے صریح ممانعت موجود ہے۔

سنت یہ ہے کہ جب کسی مسلمان کی قبر کی زیارت کی جائے، خواہ وہ کسی نبیؑ کی ہو، یا کسی ولی کی ہو تو سلام کیا جائے اور اللہ سے صاحبِ قبر کے لئے دعاء مانگی جائے یہ دعا بمنزلہ جنازہ کے ہے، جیسا کہ خود اللہ نے ان دونوں کو ایک ساتھ ذکر کیا ہے۔ منافقین کے متعلق فرمایا:

﴿ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ﴾

(التوبہ: ۸۴)

جو ان میں سے مرجائے کبھی اس پر نماز نہ پڑھ اور نہ اس کی قبر پر کھڑا ہو۔

اس آیت سے جہاں منافقوں کی نماز جنازہ پڑھنے اور ان کی قبروں پر کھڑے ہونے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے مسلمانوں کے حق میں ان دونوں باتوں کا کرنا بھی مشروع ثابت ہوتا ہے۔ سنن میں ہے کہ جب کوئی صحابی فوت ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی قبر پر کھڑے ہوتے اور فرماتے۔

سَلُوْا لَهُ التَّثَبُّتِ فَاِنَّه' اَلْاٰنَ يُسْئَلُ. ❶

اس کے لیے ثابت قدمی کی دعا کرو، کیوں کہ اب اس سے پوچھ ہوگی۔

حدیث صحیح میں ہے کہ آپ صحابہؓ کو تعلیم فرماتے تھے کہ جب قبروں پر جاؤ تو کہو:

اَلسَّلَامُ عَلٰى اَهْلِ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَيَرْحَمُ اللّٰهُ الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنَّا وَالْمُسْتَاْخِرِيْنَ، وَاِنَّا اِنْ شَآءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَلَاحِقُوْنَ۔ ❷

اے مومنوں کے گھر میں بسنے والو، تم پر سلام۔ ہم ان شاء اللہ تم سے مل جانے والے ہیں۔ اللہ ہمارے اور تمھارے آگے جانے والوں اور پیچھے رہ جانے والوں پر رحم کرے ہم اپنے اور تمھارے لیے اللہ سے عافیت چاہتے ہیں، اے اللہ ہمیں ان کے اجر سے محروم نہ کرنا، ہمیں ان کے بعد امتحان میں نہ ڈالنا اور ہماری مغفرت کر۔

دین الٰہی یہی ہے کہ اللہ وحدہ لاشریک لہ کے گھر کی تعظیم وتکریم کی جائے اور وہ گھر مسجدیں ہیں جن میں جماعت اور بے جماعت نمازیں، اعتکاف، تمام بدنی و قلبی عبادتیں، قراءت قرآن، ذکر الٰہی اور اللہ سے ہر طرح کی دعائیں مشروع کی گئی ہیں۔ فرمایا:

﴿ وَ اَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴾ (الجن:۱۸)

مسجدیں اللہ کے لیے ہیں۔ پس اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔

﴿ قُلْ اَمَرَ رَبِّىْ بِالْقِسْطِ ۗ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ

---

❶ سنن ابی داود، کتاب الجنائز، باب الاستغفار عند القبر ۔ حدیث:۳۲۲۱

❷ صحیح مسلم، کتاب الجنائز، حدیث:۲۲۵٦ ۔ حدیث:۲۲۵۷ میں اس دعاء کے آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں۔ اَسْئَالُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ

مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ؕ﴾ (الاعراف:۲۹)

کہہ دو کہ میرے پروردگار نے تو انصاف کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ کہ ہر نماز کے وقت سیدھا (قبلے کی طرف) رخ کیا کرو اور خاص اسی کی عبادت کرو اور اسی کو پکارو۔

﴿يَا بَنِيْ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ (الاعراف:۳۱)

اے بنی آدم ہر مسجد (عبادت) میں اپنی زینت کرو۔

﴿اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰى اُولٰئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ﴾ (التوبة:۱۸)

اللہ کی مسجدوں کو وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لائے۔ نماز قائم کی، زکوٰۃ دی، اور بجز اللہ کے کسی سے نہ ڈرے، امید ہے وہ ہدایت پانے والے ہوں۔

﴿فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَ يُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ لا يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ○ رِجَالٌ لا لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ص يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ○ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ط وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ (النور:۳۸.۳۶)

ان گھروں میں کہ اجازت دی ہے اللہ نے کہ ان میں اس کا نام بلند کیا جائے اور اس کا ذکر کیا جائے۔ ان میں ایسے لوگ صبح وشام تسبیح کرتے ہیں جنھیں نہ تجارت، نہ فروخت ذکر الٰہی سے اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے سے غافل کرتی ہے۔ اس دن سے ڈرتے ہیں جب دل اور آنکھیں پلٹ جائیں گی تاکہ ان کے بہترین اعمال کے حساب سے بدلہ دے اور انھیں اپنے فضل سے اور زیادہ کردے۔

اللہ جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے دیتا ہے۔

یہ ہے مسلمانوں کا دین جو اللہ واحد کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے۔ رہا قبروں کا بت بنا کر پوجنا تو یہ مشرکوں کا دین ہے جس سے اللہ اور اس کے رسول سید المرسلین نے منع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو ایمان وہدایت کی دولت سے مالا مال کردے۔

والحمد لله ربّ العالمين وصلّى الله على سيّدنا محمّد وعلى اله و صحبه وسلّم تسليمًا كثيرًا طيّبا مباركا ۔

☆(نوٹ) شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی طرف منسوب یہ قول کسی بھی صحیح یا ضعیف سند کے ساتھ مروی نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک باطل کلام ہے۔ یہ کلام معنوی طور پر بھی باطل ہے۔ کیونکہ جب ایک ادنیٰ درجے کا صحابی بھی رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کو سنتا اور سمجھتا تھا تو حضرت عمرؓ کے بارے میں یہ کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ آپ ﷺ کے ارشادات کو نہ سمجھتے ہوں، جبکہ وہ حضرت ابوبکرؓ کے بعد ساری امت سے افضل ہیں۔ اس روایت کو جاہل اور گمراہ زندیقوں اور ملحد باطنیوں نے وضع کیا اور دعویٰ کیا ہے کہ وہ اس راز کو جانتے ہیں، جسے حضرت عمرؓ بھی سمجھنے سے قاصر تھے۔ انہوں نے اس روایت کو درحقیقت اپنے اس باطل عقیدے کی تائید وحمایت کے لئے وضع کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جو قرآن، ایمان اور شریعت پیش فرمائی، اس کا ایک ظاہری مفہوم ہے اور ایک باطنی۔ باطنی مفہوم کو صرف حضرت ابوبکرؓ جانتے تھے اور کوئی نہیں جانتا تھا۔ حتیٰ کہ حضرت عمرؓ بھی نہیں جانتے تھے اور اس طرح کی باتوں سے اپنے گمراہ کن افکار ونظریات کو ترویج دے کر یہ جاہل لوگوں کو دینِ اسلام سے برگشتہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ (مجموعہ فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، مجلد ۶ ص ۶۵ دار الجیل)

(محمد خالد سیف)

مجذوب

شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اَلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔

امابعد:

ہر بالغ عاقل انس وجن پر یہ شہادت واجب ہے کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے پیغمبر ہیں، جنھیں اس نے ہدایت و دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ تمام دینوں پر غالب کردے۔

اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو تمام جن و انس، عرب وعجم، فارس و ہند، روم بربر، کالے گورے، غرض یہ کہ بلا استثناء سب کے لیے مبعوث فرمایا ہے تاکہ تمام ظاہری اور باطنی امور عقائد، حقائق، شرائع میں رہنمائی کریں۔

پس کوئی عقیدہ نہیں، بجز آپ ﷺ کے عقیدے کے، کوئی حقیقت نہیں، بجز آپ ﷺ کی حقیقت کے، کوئی طریقت نہیں بجز آپ ﷺ کی طریقت کے، کوئی شریعت نہیں بجز آپ کی شریعت کے، کوئی مخلوق بھی اللہ اور رسول کی خوشنودی رضامندی، عزت افزائی اور ولایت حاصل نہیں کرسکتی جب تک وہ ظاہر و باطن قول وفعل، دل کی باتوں، عقیدوں، قلب کی حالتوں، کیفیتوں، لسان و جوارح غرض کہ ہر حالت میں آپ کی پیروی نہ کرے، کوئی شخص بھی ولی اللہ نہیں ہوسکتا۔ جب تک وہ ظاہر و باطن میں آپ کا پیرو نہ ہو، ان تمام غیب کی باتوں کی تصدیق نہ کرے جن کی آپ نے خبر دی ہے۔ ان تمام اوامر کی تعمیل اور محرمات سے اجتناب نہ کرے جو آپ کے ذریعہ تمام مخلوق پر یکساں طور پر فرض وواجب ٹھہرادیے گئے ہیں۔

پس جب کوئی آپ ﷺ کی لائی ہوئی خبروں کی تصدیق نہ کرے، آپ کے ٹھہرائے ہوئے اوامر وواجبات کی تعمیل نہ کرے احوال باطنی میں ہو یا احوال ظاہری میں تو ولی اللہ ہونا بڑی چیز ہے۔ وہ سرے سے مومن ہی نہیں اگر چہ وہ کتنی ہی کرامات وخرق عادات دکھلاتا ہو، کیوں کہ اوامر وواجبات کے ترک کرنے کی صورت میں (مثلاً نماز وغیرہ عبادات اپنی جملہ شرائط کے ساتھ) یہ تمام خوارق عادات امور شیطانی احوال میں سے ہوں گے جو بندہ کو اللہ اور اس کی رحمت سے دور اور اس کی ناراضی اور عذاب سے نزدیک کرتے ہیں۔

رہے بچے اور دیوانے لوگ تو بلاشبہ مرفوع القلم ہیں اور ان پر کوئی عذاب نہیں مگر وہ کسی حال میں بھی **اولیاء اللہ المتقین و حزب اللہ المفلحین وجندہ الغالبین** میں شمار نہیں کیے جاسکتے کیوں کہ وہ باطنی وظاہری تقویٰ وایمان سے خالی ہیں جس کے بغیر ولایت پانا ناممکن ہے، لیکن باوجود اس کے ان کا شمار اپنے باپ دادا کی ماتحتی میں اسلام ہی میں ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ﴾ (الطور: ۲۱)

جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی تو ہم ان کی اولاد کو ان کے ساتھ شامل کر دیں گے اور خود ان کے عمل میں کچھ کمی نہ کریں گے ہر شخص اپنے عمل میں پھنسا ہوا ہے۔

یہ سمجھنا سخت غلطی ہے کہ عقل کھو جانے کے بعد وہ ان لوگوں میں سے ہو سکتے ہیں جن کے دل ایمان کے حقائق، ولایت الٰہی کے معارف، اور مقربین الٰہی کے احوال کا گنجینہ ہوتے ہیں کیوں کہ ان تمام امور میں عقل اولین شرط ہے اور دیوانگی، عقل، تصدیق، معرفت، یقین، ہدایت، حمد وثنا کے بالکل متضاد ہے۔ اللہ انھیں کے درجے

بلند کرتا ہے جو ایمان لائے اور ہر علم سے اپنے تئیں آراستہ کر چکے ہیں۔ مجنون کو اگر چہ آخرت میں سزا نہیں دے گا بلکہ اس پر رحم کرے گا مگر وہ کسی طرح بھی اولیاء اللہ المتقین میں نہیں ہوسکتا۔

جو کوئی یہ یقین کرتا ہے کہ یہ لوگ جو نہ واجبات ادا کرتے ہیں، نہ محرمات سے اجتناب کرتے ہیں' خواہ وہ عاقل ہوں یا مجنون' مجذوب یا بنے ہوئے اولیاء **اللہ المتقین وحزبہ المفلحین و عبادہ الصالحین' وجندہ الغالبین السابقین المقربین المقتصدین** سے ہوسکتے ہیں کہ جن کے درجے ایمان وعلم کی وجہ سے بلند ہوتے ہیں تو ایسا یقین رکھنے والا کافر و مرتد اور محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا منکر ہے کیوں کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کی طرف سے صاف لفظوں میں اعلان کر دیا ہے کہ اولیاء اللہ وہی ہو سکتے ہیں جو مومن و متقی ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴾ (یونس:۶۲، ۶۳)

اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی ڈر ہے، نہ وہ آزردہ خاطر ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور اللہ سے ڈرتے رہے۔

اور فرمایا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ اَتْقٰكُمْ ؕ﴾

(الحجرات:۱۳)

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک نر مادہ سے پیدا کیا' اور پھر تمھیں قومیں اور قبیلے کر دیا تا کہ باہم ایک دوسرے کی شناخت کر سکو' تم میں بڑا شریف اللہ کے نزدیک وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہو۔

اور تقویٰ یہی ہے کہ انسان اللہ کی دی ہوئی بصیرت کے ساتھ اس کی اطاعت کرے اور اس کی رحمت کا امیدوار ہو، اللہ کی دی ہوئی بصیرت کے ساتھ معصیت الٰہی سے پرہیز کرے اور اس کے عذاب سے ڈرے۔ تقرب الٰہی کی صرف یہی ایک صورت ہے کہ انسان فرائض ادا کرے اور نوافل پر کاربند ہو جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ نے فرمایا: ''مجھ سے تقرب حاصل کرنے کی اس سے بہتر کوئی تدبیر نہیں کہ بندہ میرے فرائض ادا کرے' نوافل کے ذریعہ میرا بندہ مجھ سے قریب ہو جاتا ہے' یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں'' (بخاری)

اللہ کی نظر میں محبوب ترین عمل

اللہ کی نظر میں سب سے زیادہ محبوب عمل اور فرائض دین میں سب سے بڑا فرض اپنے اوقات میں پانچوں نمازیں ہیں۔ قیامت کے دن بندے سے سب سے پہلے ان ہی نمازوں کا سوال ہوگا۔ نماز ہی وہ فرض ہے جسے اللہ تعالیٰ نے شب معراج میں بذات خود فرض قرار دیا اور رسول کو بلا کسی واسطے کے اس کا حکم پہنچایا۔ نماز اسلام کا ستون ہے کہ جس کے بغیر اسلام قائم نہیں ہو سکتا۔ نماز ہی دین کا سب سے اہم معاملہ ہے جیسا کہ امیر المومنین عمر بن الخطاب اپنے عمال کو لکھا کرتے تھے: ''میری نظر میں تمھارا سب سے اہم کام نماز ہے، جس نے اس کی پابندی و حفاظت کی اس نے اپنے پورے دین کی حفاظت کی اور جس نے اسے ضائع کر دیا وہ اپنے دوسرے اعمال کو بھی زیادہ ضائع کرنے والا ثابت ہوگا۔ صحیح بخاری میں بالکل صاف لفظوں میں موجود ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بندے اور شرک کے درمیان حد فاصل نماز ہے۔ ہمارے اور لوگوں کے مابین صرف نماز ہی کا معاہدہ ہے، جس نے اسے چھوڑ دیا وہ کافر ہے۔'' پس جو کوئی ہر بالغ و عاقل پر (باستثنا حائض و نفساء کے) نماز کی فرضیت کا قائل نہیں وہ باتفاق جملہ ائمہ اسلام کافر و مرتد ہے، اگرچہ ساتھ ہی یہ اعتقاد رکھے کہ نماز عمل صالح ہے، اللہ کو پسند ہے، ثواب کا ذریعہ ہے۔ بلکہ خود بھی نماز پڑھے، بلکہ

قائم اللیل و صائم النہار ہی کیوں نہ ہو مگر چوں کہ وہ شخص نماز کی فرضیت کا قائل نہیں اس لیے وہ کافر اور مرتد ہے، یہاں تک وہ اپنا خیال بدلے اور سچے دل سے توبہ کرے۔

اسی طرح جو یقین رکھتا ہے کہ عارفوں، واصلوں اور کشف و کرامات رکھنے والوں سے نماز ساقط ہو جاتی ہے یا یہ سمجھنا کہ اللہ کے ایسے مقرب بندے بھی ہیں جن پر نماز فرض نہیں ہے اور اس ذات برتر تک وصول کے بعد ان کے ذمہ سے ساقط ہو گئی ہے یا یہ کہ وہ ایسے احوال میں مشغول ہو گئے ہیں جو نماز سے زیادہ اہم اور بہتر ہیں یا یہ کہ مقصود اللہ عزوجل کے ساتھ حضور قلب ہے۔ جب بندہ کو جمعیت خاطر اور اپنے مولیٰ سے حضور قلب کا درجہ حاصل ہو گیا تو اس کے لیے نماز غیر ضروری ہو گئی کیوں کہ اس میں بہر حال انتشار فکر ہے۔ یا یہ کہ نماز سے غرض تحصیل معرفت ہے اور جب وہ حاصل ہو گئی تو وہ فضول ہے، یا یہ کہ مقصود کرامات کا حاصل کرنا ہے جب وہ حاصل ہو جائیں، بندہ ہوا میں اڑنے لگے، پانی پر چلنے لگے، یا یہ کرنے لگے، وہ کرنے لگے تو نماز کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ یا یہ کہ اللہ کے ایسے خاص بندے بھی ہیں جو محمد ﷺ کی پیروی سے بے نیاز ہیں یا یہ یقین کرے کہ نماز بغیر طہارت کے بھی مقبول ہوتی ہے یا یہ سمجھے کہ دیوانے مجنون، مجذوب جو مقبروں، حماموں، بیت الخلاؤں، سرایوں اور گھوڑوں وغیرہ کے گندے مقامات پر پڑے دکھائی دیتے ہیں، جو نہ وضو کرتے ہیں، نہ فرض نمازیں پڑھتے ہیں، وہ اولیاء اللہ ہیں تو ایسا عقیدہ رکھنے والا باتفاق جملہ ائمہ اسلام کافر اور مرتد عن الدین ہے اگر چہ بذات خود کتنا ہی عابد و زاہد ہو کیوں کہ رہبان جو کہیں زیادہ زہد و عبادت رکھتے ہیں، بلکہ رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی بہت سی صداقتوں کے قائل بھی ہیں، آپ کی اور آپ کے متبعین کی تعظیم اور تعریف بھی کرتے ہیں مگر چوں کہ پوری شریعت پر ایمان نہیں لاتے بلکہ بعض کی تصدیق کرتے ہیں اور بعض کی تکذیب کرتے ہیں۔ اس وجہ سے کافر قرار دیے گئے۔

قرآن میں ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَکْفُرُ بِبَعْضٍ وَّیُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلًا ۝ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ حَقًّا وَاَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّھِیْنًا ۝ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَلَمْ یُفَرِّقُوْا بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ اُولٰٓئِکَ سَوْفَ یُؤْتِیْھِمْ اُجُوْرَھُمْ وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا﴾ (النسآء: ۱۵۰، ۱۵۲)

جولوگ اللہ اور اس کے رسولوں کے منکر ہیں اور اللہ اور اس کے رسولوں میں تفریق پیدا کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں بعض رسولوں پر ہم ایمان لائیں گے اور بعض کا انکار کریں گے اور چاہتے ہیں کہ کفر اور ایمان کے بین بین کوئی راستہ اختیار کریں، تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں اور ہم نے کافروں کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور ان میں سے کسی میں تفریق پیدا نہیں کی تو اللہ انھیں ان کے اجر عطا فرمائے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

مسلوب العقل مجنون یا مجذوب کے متعلق زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مرفوع القلم ہے اور اس پر کوئی جزا و سزا نہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی مسلم ہے کہ اس کا ایمان، نماز، روزہ غرض یہ کہ کوئی عمل بھی صحیح و مقبول نہیں کیوں کہ اعمال عقل و فہم ہی سے مقبول ہوتے ہیں اور جس میں عقل نہیں اس کی نہ کوئی عبادت درست ہے، نہ کوئی اطاعت مقبول۔ جس کی یہ حالت ہو وہ ہرگز ہرگز ولی اللہ نہیں ہو سکتا۔

قرآن میں ہر جگہ اصحاب عقل سے خطاب ہے:

﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّھٰی﴾ (طٰہٰ: ۵۴)

ان میں عقل مندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

اور

﴿ هَلْ فِیْ ذٰلِکَ قَسَمٌ لِّذِیْ حِجْرٍ ﴾ (الفجر ۵)
دانش مندوں کے لیے ان میں بڑی قسم ہے۔

اور

﴿ وَاتَّقُوْنِ یٰاُولِی الْاَلْبَابِ ﴾ (البقرۃ:۱۹۷)
پس اے عقل مندو مجھ سے ڈرو

اور

﴿ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَاللّٰہِ الصُّمُّ الْبُکْمُ الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ ﴾

(الانفال: ۲۲)
اللہ کے نزدیک چوپاؤں سے بدترین لوگ یہ گونگے، بہرے ہیں جو کچھ سمجھ بوجھ نہیں رکھتے۔

اور

﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴾ (یوسف:۲)
ہم نے عربی قرآن صرف اس لیے اتارا ہے کہ تاکہ تم اسے سمجھو۔
اس میں عقل والوں کی تعریف کی گئی ہے۔ مجنونوں اور مجذوبوں اور پاگلوں کی اللہ نے ایک جگہ بھی تعریف نہیں کی بلکہ دوزخیوں کی زبانی ان کی سخت مذمت کی ہے۔
فرمایا:
﴿ وَقَالُوْا لَوْ کُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا کُنَّا فِیْٓ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ﴾ (الملک: ۱۰)
اگر ہم سنتے سمجھتے ہوتے تو بھلا دوزخیوں میں کیوں ہوتے۔

اور

﴿ وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ کَثِیْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا

يَفْقَهُوْنَ بِهَا ز وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ز وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ط اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ﴾(الاعراف: ۱۷۹)

ہم نے بہت سے جن وانس صرف دوزخ ہی کے لئے پیدا کئے ہیں۔ ان کے دل تو ہیں مگر ان سے سمجھنے کا کام نہیں لیتے۔ آنکھیں ہیں مگر دیکھتے نہیں۔ کان ہیں مگر ان سے سنتے نہیں۔ وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گذرے ہیں۔

پس جو لوگ عقل نہیں رکھتے اس کا ایمان درست ہے نہ اس کی کوئی عبادت مقبول رہا ایسا شخص جو یہودی یا عیسائی تھا پھر پاگل ہو گیا اور حالت جنون میں اسلام لایا تو اس کا اسلام ظاہر و باطن کسی حال میں درست نہیں مانا جائے گا۔ اسی طرح اگر مسلمان تھا پھر کافر ہو گیا اور اس کے بعد جنون میں مبتلا ہوا تو اس کا حکم کفار کی مانند ہے، لیکن اگر ایمان پر قائم تھا اور مجنون ہو گیا تو بلاشبہ اسے ان نیکیوں کا ثواب حاصل ہے جو حالت عقل میں انجام دے چکا ہے۔ لیکن جو مجنون ہی پیدا ہوا اور ہمیشہ اسی حالت میں رہا تو اس کا اسلام صحیح ہے نہ کفر معتبر۔ شریعت میں مجنون کا حکم بچے کا سا ہے۔ اگر اس کے ماں باپ دونوں مسلمان ہیں تو باتفاق تمام مسلمانوں کے اس کا شمار مسلمانوں میں ہوگا اور اگر صرف ماں مسلمان ہے تو بھی جمہور علماء مثلاً ابو حنیفہؒ، شافعیؒ، احمدؒ کے نزدیک وہ مسلمان میں محسوب (شمار) ہوگا، پس مسلمانوں کے بچے اور دیوانے قیامت کے دن اپنے ماں باپ کے زمرہ میں اٹھائے جائیں گے، لیکن اس اسلام سے مجذوب یا دیوانے کو دوسروں پر کوئی ذرا بھی فضیلت حاصل نہیں ہوتی اور نہ وہ اس کی وجہ سے اولیاء اللہ المتقین میں داخل ہو سکتا ہے جنھیں یہ درجہ بلند صرف عقل وفہم کے ساتھ فرائض ونوافل کے ذریعہ تقرب حاصل کرنے کی وجہ سے ملتا ہے۔

قرآن پاک میں ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى

تَعۡلَمُوۡا مَا تَقُوۡلُوۡنَ ﴾ (النسآء:۴۳)

اے ایمان والو! نشہ کی حالت میں نماز کے قریب بھی نہ پھٹکو یہاں تک کہ جو کچھ (نماز میں) کہتے ہو اسے جانو۔

یہ آیت شراب حرام ہونے سے پہلے نازل ہوئی ہے اور اس میں اللہ نے نشہ کی حالت میں نماز کے قریب آنے سے بھی منع کر دیا ہے تاکہ انسان جو کچھ پڑھے، اسے سمجھ سکے۔ پس اگر نشہ کی حالت میں، جو اس وقت حرام بھی نہ تھا، نماز پڑھنا محض اس وجہ سے حرام قرار دیا گیا ہے کہ اس حالت میں اپنی قراءت نہیں سمجھتا تو اس سے اس بات کا وجوب بھی معلوم ہوا کہ نمازی کو اپنی قراءت سمجھنا ضروری ہے اور جو کوئی اپنی قراءت نہیں سمجھتا اس کی نماز بھی درست نہیں۔ اگرچہ اس کی عقل کسی غیر حرام سبب ہی سے کیوں نہ زائل ہوئی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ بالاتفاق تمام علمانے ایسی نماز کو نادرست بتایا ہے۔ اگرچہ اس کا باعث کچھ ہی کیوں نہ ہو، جب عقل کے عارضی فتور کا یہ حکم ہے تو ظاہر ہے کہ مجنون یا مجذوب کی نماز یا عبادت کا کیا حکم ہوگا۔

اسی قدر نہیں بلکہ نیند اور اونگھ تک کی حالت میں نماز سے باز رہنے کا حکم ہے، چنانچہ صحیحین میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا رات کو نماز پڑھتے ہوئے اگر اونگھنے لگو تو لیٹ جاؤ کیوں کہ بسا اوقات ممکن ہے نیند کی حالت میں مغفرت کی دعا مانگنا چاہو اور نادانستہ منہ سے گالی نکلنے لگے۔ ابوالدردا کا مقولہ ہے: ''علم کا اقتضاء یہ ہے کہ انسان پہلے اپنی ضرورت پوری کرے، پھر نماز کے لیے کھڑا ہو تا کہ جی لگے''۔ پس اگر ان تمام حالتوں میں نماز درست نہیں جن میں انسان کی عقل قابو سے باہر ہو جاتی ہے تو ظاہر ہے کہ مجنون کی نماز بدرجہ اولیٰ درست نہ ہوگی۔ مجنون سے مراد ہر وہ شخص ہے جس کی عقل ٹھکانے نہیں اگرچہ اس کا نام مجذوب یا کچھ اور ہی کیوں نہ رکھ دیا جائے۔

اور معلوم ہوا کہ نماز افضل ترین عبادت ہے، جیسا کہ صحیحین میں موجود ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا: اللہ کو سب سے زیادہ

کون سا عمل محبوب ہے؟ فرمایا اول وقت میں نماز۔ صحیحین میں ایک اور حدیث ہے: فرمایا: ''افضل ترین عمل اللہ پر ایمان اور اس کی راہ میں جہاد ہے'' کوئی غلط فہمی میں پڑ کر دونوں حدیثوں کو متناقض نہ سمجھ لے، کیوں کہ ان میں باہم کوئی مخالفت نہیں ہے۔ پہلی حدیث میں نماز کا ذکر ہے اور دوسری میں ایمان کا اور معلوم ہوا کہ نماز ایمان کے مسمیٰ میں داخل ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں صاف موجود ہے:

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ﴾ (البقرة:۱۴۳)

یعنی بیت المقدس کی طرف رخ کر کے جو نمازیں تم پڑھ چکے ہو، اللہ انھیں ضائع کرنے والا نہیں۔

اس میں نماز کو لفظ ایمان سے تعبیر کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایمان کی طرح نماز بھی قائم مقامی اور نیابت کسی حال میں بھی روا نہیں رکھی گئی۔ یعنی جس طرح یہ ناجائز ہے کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کی طرف سے ایمان لے آئے، اسی طرح یہ بھی ناجائز ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کی طرف سے نماز پڑھ لے، اگرچہ کتنا ہی بڑا عذر موجود ہو اور جس طرح ایمان سے کسی حال میں بھی کوئی مستثنیٰ نہیں ہوسکتا جب تک عقل رکھتا اور بعض ارکان صلوٰۃ بھی ادا کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔

اب صاف ظاہر ہوگیا کہ جب عقل زائل ہوجاتی ہے تو انسان ان تمام فرائض ونوافل کی انجام دہی سے معذور ہوجاتا ہے، جو تقرب الٰہی کا واحد ذریعہ ہیں۔ ولایت ایمان اور تقویٰ کا نام ہے۔ کامل ایمان وتقویٰ کا وجود فرائض ونوافل کے ذریعہ حصولِ تقرب پر ہی موقوف ہے۔ اور چوں کہ مجذوب اس ذریعہ تقرب سے محروم ہوجاتا ہے اس لیے وہ اولیاء اللہ میں سے نہیں ہوسکتا۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ اپنی مجنونانہ زندگی میں وہ مرفوع القلم ہے اور حساب وکتاب اور جزا وسزا سے اسی طرح آزاد ہے جس طرح بچے اور چوپائے آزاد ہوتے ہیں۔

✿✿✿✿✿

بحالت ایمان وتقویٰ مجنون ہو جانے والے کے اعمال

اگر مجنون پاگل ہونے سے پہلے مومن تھا اعمال صالحہ رکھتا تھا اور فرائض و نوافل کے ذریعہ تقرب چاہتا تھا تو اسے اپنے اس سابق ایمان وعمل صالح کا ثواب ملے گا اور ولایت الٰہی کا وہ درجہ حاصل رہے گا جو وہ اپنے ایمان وتقویٰ کے اندازہ سے پا چکا تھا۔ جنون کی وجہ سے اس کی یہ سابق نیکیاں باطل نہیں ہو جائیں گی جس طرح موت سے باطل نہیں ہوتی ہیں۔ کوئی بدی بھی ایسی نہیں جو تمام نیکیوں کو باطل کر دے ہاں اگر کوئی ایسی بدی ہے تو وہ صرف ایک ارتداد ہے جو تمام نیکیوں کو پائمال اور کالعدم کر ڈالتا ہے۔ اسی طرح کوئی نیکی نہیں جو تمام گناہوں کو دھو ڈالے اور اگر کوئی ہے تو وہ سچی توبہ ہے جو تمام گناہوں سے انسان کو بالکل پاک وصاف کر دیتی ہے لیکن اس کے یہ معنیٰ نہیں کہ مجنون ہونے کے بعد بھی برابر لکھا جاتا رہا ہے۔ جنون کے بعد نہ اس کی نیکیاں لکھی جائیں گی، نہ بدیاں۔ کیوں کہ اب اس میں کوئی صحیح قصد وارادہ باقی نہیں، جو صحت اعمال کی بنیادی شرط ہے۔

اعتراض میں یہ حدیث پیش کرنا صحیح نہیں کہ بندہ جب بیمار یا مسافر ہوتا ہے تو اس کا وہ عمل اس کے نام پر برابر لکھا جاتا ہے جو وہ تندرستی اور حالت قیام میں کیا کرتا تھا۔ نیز یہ کہ غزوہ تبوک میں آپ کے اس قول سے بھی استدلال درست نہیں کہ مدینہ میں ایسے لوگ موجود ہیں جو باوجود یہاں نہ ہونے کے ہر راستہ اور ہر وادی میں تمھارے ساتھ چل رہے ہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ مدینہ میں وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا: وہ لوگ ہیں جو مجبوری کی وجہ سے آ نہیں سکتے۔'' کیوں کہ یہ دونوں حدیثیں ان لوگوں کے بارے میں ہیں جو عمل کی نیت اور رغبت صحیح رکھتے تھے مگر حالات سے مجبور ہو گئے۔ اس لیے بمنزلہ عمل کرنے والوں کے ہیں لیکن مجنون ومجذوب کی حالت اس سے بالکل مختلف ہے کیوں کہ عقل زائل ہونے کے بعد اس میں نہ قصد صحیح باقی رہتا ہے اور نہ اس کی کوئی عبادت معتبر ہوتی ہے۔

بنابریں یہ سمجھنا سخت غلطی ہے کہ عقل سلب ہو جانے کے بعد انسان کو خواہ اسے مجنون پکارا جائے یا مجذوب کو کوئی خاص درجہ نیکی اور صلاح و خیر کا، یا گناہ اور برائی کا حاصل ہو جاتا ہے کیوں کہ جنون کے بعد اس کی نیکی اور بدی اسی حالت پر رک جاتی ہے جس پر وہ ہوش و حواس کی حالت میں تھا، نہ اس میں کمی ہوتی ہے، نہ زیادتی۔ البتہ جس طرح وہ عقل کھو کر مزید نیکی حاصل کرنے سے محروم ہو جاتا ہے اسی طرح مزید شر پر عذاب سے بھی بچ جاتا ہے۔

رہے وہ لوگ جو کسی حرام سبب سے اپنی عقل کھو بیٹھتے ہیں، مثلاً شراب کے جام چڑھانے سے، چرس یا بھنگ پینے سے، طرب انگیز گانے سننے یا خود ساختہ عبادتیں کرنے کی وجہ سے شیاطین سے جو تعلق پیدا ہو جاتا ہے اور اس کے باعث مخبوط الحواس ہو جاتے ہیں تو یہ لوگ اپنی عقل برباد کرنے پر سخت مذمت اور سزا کے مستحق ہیں۔ اس گروہ میں بہت ایسے ہوتے ہیں جو شیطانی احوال طاری کرنے کی غرض سے ناچنے کودنے لگتے اور اس میں اس قدر محو ہو جاتے ہیں کہ عقل گم ہو جاتی ہے۔ یا سو جاتے ہیں یا بے قابو ہو کر گر پڑتے ہیں اور شیطانی احوال قلب پر طاری ہونے لگتے ہیں اور بہتیرے ایسے بھی ہیں جو مجذوب ہونے کے لیے برابر جدوجہد کرتے ہیں یہاں تک کہ عقل کھو کر پاگل ہو جاتے ہیں۔ درحقیقت یہ تمام لوگ شیطانی جماعت میں سے ہیں۔ جیسا کہ ان متعدد افراد سے ثابت و مشہور ہے۔ ان شریروں کے بارے میں اگرچہ علما کا اختلاف ہے کہ عقل سے عاری ہونے کے بعد بھی وہ اعمال شرعیہ کے مکلف رہتے ہیں یا نہیں؟ لیکن یہ کسی ایک عالم نے بھی نہیں کہا کہ اس طرح عقل گنوا دینے والے، اولیاء اللہ، اللہ کے مقرب اور فلاح پانے والے ہو سکتے ہیں

بلاشبہ علما نے بعض عاقل مجنونوں کا ذکر کیا ہے اور ان کی تعریف بھی کی ہے، لیکن وہ اس شیطانی جماعت سے نہیں بلکہ پہلی قسم کے مجنونوں میں سے ہیں جو شروع میں نیکوکار تھے، پھر دیوانے ہو گئے۔ ان کی شناخت یہ ہے کہ جوں ہی دیوانگی میں کوئی

لمحہ افاقہ ہوتا اور دماغ ذرا بھی درست ہوتا تو وہ کفر اور بہتان کا کوئی کلمہ زبان سے نہیں نکالتے بلکہ ایمان ہی کی باتیں کرنے لگتے ہیں جو اصل میں ان کے دلوں کے اندر موجود تھا۔ برخلاف اس کے یہ شیطانی مجنون جو شروع ہی سے کافر و عاصی تھے تو وہ شدت جنون اور افاقہ ہر حالت میں کفر و شرک ہی کے ہذیان میں مبتلا رہتے ہیں اور کبھی ایمان کا کوئی کلمہ ان کے پھوٹے منہ سے نہیں نکلتا۔ اسی طرح جو عرب دیوانے ہوکر فارسی یا ترکی یا بربری وغیرہ دوسری زبانوں میں بڑ بڑانے لگتے ہیں جیسا بعض نام نہاد صوفیوں کی بھی حالت سماع کے وقت ہو جاتی ہے کہ عقل گم اور ایک والہانہ کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور غیر مفہوم بکواس کرنے یا کوئی دوسری زبان بولنے لگتے ہیں تو یہ بھی وہ لوگ ہیں جن کی زبانوں پر شیطان مسلط ہو جاتا ہے اور بولنا شروع کر دیتا ہے

ایک جہالت

یہ کہنا سخت جہالت وحماقت ہے کہ ان لوگوں کو اللہ نے عقل اور احوال ساتھ ساتھ بخشے تھے۔ احوال باقی رہنے دیئے، عقل کو سلب کر لیا اور وہ تمام باتیں معاف کر دیں جو ان پر فرض تھیں۔ کیوں کہ احوال دو قسم کے ہوتے ہیں۔ شیطانی اور رحمانی۔ محض خرق عادت، مکاشفہ اور عجیب تصرف دیکھ کر دھوکا نہیں کھانا چاہیے کیوں کہ یہ چیزیں کبھی شیطان کی طرف سے ہوتی ہیں اور اسی طرح اس کی ان ذریات کے ذریعہ ظاہر ہوا کرتی ہیں جس طرح ساحروں اور کاہنوں کے اعمال ظاہر ہوتے ہیں اور کبھی رحمان کی طرف سے ہوتی ہے اور وہ وہ ہیں جو اہل تقویٰ وایمان کے ہاتھوں ظاہر ہوتی ہیں۔

پس دیکھنا چاہیے کہ یہ مجنون یا مجذوب اصل میں کس قسم کے لوگ تھے۔ اگر حالت عقل وہوش میں وہ مومنین متقین میں سے تھے تو بلاشبہ ان کی عقل سلب ہو جانے کے بعد ان سے فرائض معاف ہو جائیں گے۔ اگر اہل کفر و شرک ونفاق میں سے تھے تو حالت جنون میں ان کا یہی حکم رہے گا اور ان کے یہ خوارق و مکاشفات اس قسم کے شیطانی احوال سمجھے جائیں گے جس قسم کے مشرکین و کفار منافقین پر طاری ہوتے

ہیں۔ یہ لوگ مجنون ہونے کی وجہ سے اپنے قدیم دائرہ کفر وفسق سے باہر نہیں نکل سکتے۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح دیوانے مسلمان اپنے اگلے ایمان وتقویٰ کے دائرے سے نہیں نکل سکتے۔ اس کی مثال بالکل نیند، بے ہوشی اور موت کی سی ہے کہ ان حالتوں کے طاری ہونے کی وجہ سے انسان اپنی اصلی حالت سے خارج نہیں ہوجاتا۔ وہ حالت ایمان وتقویٰ کی ہو یا شرک وکفر کی، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جائے گا کہ وہ اس حال میں احکام واوامر کا مکلّف نہیں رہے گا۔

لیکن مرفوع القلم ہوجانے سے آدمی کسی خاص ثواب وستائش کا مستحق نہیں ہوجاتا اور نہ عقل کے زائل ہوجانے کی وجہ سے اولیاء اللہ کی کسی خصوصیت یا صالحین کی کرامت کا مالک ہوجاتا ہے، بلکہ مرفوع القلم ہونے کے بعد اس کا حکم بالکل وہی ہو جاتا ہے جو سونے والے یا بے ہوش آدمی کا ہوتا ہے، جو نہ کسی تعریف کا مستحق ہوتا ہے، نہ کسی مذمت کا بلکہ سونے والا مجنون سے کہیں بہتر ہے۔

یہی وجہ ہے کہ تمام انبیاء سوتے تھے، لیکن ان میں کوئی ایک بھی (نعوذ باللہ) مجنون یا مجذوب نہ تھا۔ ہمارے نبی ﷺ پر نیند اور غشی طاری ہو جاتی تھی، لیکن جنون سے آپ مبرا تھے۔ آپ کی آنکھیں سوتی تھیں مگر دل جاگتا تھا اور مرض الموت میں آپ بے ہوش ہو گئے تھے لیکن جنون سے اللہ تعالیٰ نے تمام پیغمبروں کو منزہ اور معصوم رکھا ہے جو سب سے بڑا نقص انسانی ہے کیوں کہ انسانیت کا کمال عقل سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ نے عقل زائل کرنے کو حرام قرار دیا ہے اور وہ تمام چیزیں حرام ٹھہرادی ہیں جو زوال عقل کا باعث ہوسکتی ہیں۔ مثلاً شراب کہ اس کا ایک قطرہ بھی حرام ہے حالانکہ اتنی شراب میں کوئی مضرت نہیں لیکن چوں کہ وہ بھی شراب خوری کا ذریعہ ہوسکتا ہے کہ جس سے عقل زائل ہو جاتی ہے۔ اس لیے اس کی ممانعت کر دی گئی۔ پھر ایسی صورت میں کیوں کر تصور کیا جا سکتا ہے کہ سرے سے عقل کا زوال و فقدان، تقرب الٰہی اور ولایت کا سبب یا شرط یا وجہ ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ بہت سے گمراہ

تصور کرتے ہیں۔حتی کہ انھیں کا ایک شاعران پاگلوں کی تعریف میں کہتا ہے:

هم معشر حلوا النظام و خرقوا
النساج فلا فرض لديهم ولا نفل

یہ ایسے لوگ ہیں جنھوں نے گرہ کھول ڈالی ہے اور تانا بانا توڑ ڈالا ہے اب ان کے ہاں نہ کوئی فرض ہے نہ نفل۔

مجانين الا ان سر جنونهم
عزيز على ابوابه يسجد العقل

وہ مجنون ہیں لیکن ان کے جنون کا راز اتنا بڑا ہے کہ اس کے دروازوں پہ عقل سربسجود رہتی ہے۔

یہ کلام مسلمان کا نہیں بلکہ کسی گمراہ اور کافر کا ہے جو یقین رکھتا ہے کہ جنون کے اندر بھی کوئی راز ہے جس کے دروازے پر عقل سجدہ کرتی ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ اس خر دماغ نے کبھی کسی مجنون کا کوئی مکاشفہ، کوئی خارقِ عادت واقعہ،کوئی عجیب تصرف دیکھ لیا ہے جو ساحروں اور کاہنوں کی طرح شیطان سے اتصال کی وجہ سے حاصل ہو گیا ہے اور نادانی سے سمجھ بیٹھا ہے کہ جنون بھی اللہ کی کوئی بڑی نعمت ہے۔ کیوں کہ اس کے فہم ناقص میں ہر وہ شخص ولی ہے جسے کشف ہو یا کوئی خرق عادت دکھا سکے۔حالانکہ یہ عقیدہ باتفاق جملہ اہل اسلام کفر ہے۔

خرق عادت کا ظہور

گمراہ مسلمانوں کی نسبت کفار میں زیادہ

کشف و کرامات اور خرق عادت سے متعجب اور مرعوب نہیں ہونا چاہیے کیوں کہ یہ چیز یہود و نصاریٰ بلکہ اشد شدید کفار و مشرکین میں بھی پائی جاتی ہے بلکہ اس کا ظہور خالص کافروں میں گمراہ مسلمانوں سے بھی زیادہ ہوتا ہے، کیوں کہ جس میں جتنی زیادہ ضلالت اور گمراہی ہوتی ہے اتنا ہی زیادہ شیطان کو اس سے تعلق و

تقرب بھی حاصل ہوتا ہے اور اس کے ہاتھوں شیطانی امور زیادہ دکھاتا ہے تا کہ نادانوں کو گمراہ کر سکے۔ لیکن اس گروہ کے مکاشفات میں ٹھیک اسی طرح کذب و بہتان اور اعمال میں فجور وطغیان ہمیشہ دیکھا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ هَلْ اُنَبِّـئُـكُـمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ○ تَـنَـزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ﴾ (الشعراء:۲۲۱ ، ۲۲۲)

کیا میں تمھیں خبر دوں کہ شیاطین کس پر اترتے ہیں؟ ہر جھوٹے اور گنہگار پر اترتے ہیں۔

پس شیطان جس کسی پر بھی اترتے ہیں اس میں کسی نہ کسی قسم کا کذب و فجور ضرور پایا جاتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ اولیاء اللہ وہی لوگ ہیں جو فرائض کے ذریعہ ذات خداوندی تک تقرب حاصل کرتے ہیں۔ وہی اس کی کامیاب جماعت میں داخل ہوتے ہیں۔ وہی اس کے غالب ہونے والے لشکر میں شامل ہوتے ہیں۔ لیکن جو شخص اس کے خلاف عقیدہ رکھتا اور کہتا ہے کہ یہ لوگ اپنی دیوانگی جہالت، شرارت یا کسی اور وجہ سے نہ فرائض ادا کرتے ہیں نہ نوافل کی پرواہ کرتے ہیں، وہ اولیاء اللہ المتقین میں سے ہیں۔ تو یہ اعتقاد کفر ہے اور اس کا معتقد دین الٰہی کا منکر و مرتد ہے اگر چہ زبان سے لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ برابر پکارتا ہے۔ ایسا شخص بلاشک کاذب ہے اور ان لوگوں میں داخل ہے جن کی بابت اللہ کا ارشاد ہے:

﴿ اِذَا جَآءَكَ الْـمُـنٰـفِـقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَـمُ اِنَّكَ لَـرَسُوْلُـهٗ ۗ وَاللّٰهُ يَشْهَـدُ اِنَّ الْـمُـنٰـفِـقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ○ اِتَّخَذُوْا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۗ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ ذٰلِكَ بِـاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴾ (المنافقون: ۱ تا ۳)

جب منافق تیرے پاس (اے رسول) آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی
دیتے ہیں کہ تو اللہ کا پیغمبر ہے اور اللہ جانتا ہے کہ تو اس کا رسول ہے اور
اللہ (یہ بھی) گواہی دیتا ہے کہ منافق جھوٹے ہیں۔ انھوں نے اپنی قسموں کو
ڈھال بنا کر رکھا ہے اور لوگوں کو راہ للہ سے روکتے رہتے ہیں۔ ان کا یہ فعل
کیسا برا ہے۔ یہ اس لیے کہ وہ ایمان لائے۔ پھر منکر ہو گئے۔ اس پر ان کے
دلوں پر مہر لگادی گئی اور اب وہ کچھ نہیں سمجھتے۔

اور حدیث صحیح میں وارد ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جو شخص بغیر کسی عذر کے محض لاپرواہی سے تین جمعے ناغہ کر دیتا ہے۔ اللہ اس کے قلب پر مہر لگا دیتا ہے۔ اگر محض تین جمعے ترک کرنے سے قلب پر مہر لگ جاتی ہے۔ اگر چہ نماز ظہر پڑھتا رہا ہو تو اس شخص کا کیا حال ہوگا جو نہ ظہر پڑھتا ہے نہ جمعہ میں حاضر ہوتا ہے، نہ فرض ادا کرتا ہے، نہ نفل سے تعلق رکھتا ہے، نہ وضو کرتا ہے، نہ بڑی طہارت کا خیال رکھتا ہے، نہ چھوٹی طہارت کی پرواہ کرتا ہے، ایسا شخص اگر پہلے مومن بھی ہو اور قلب پر مہر لگ جائے تو اپنے ترک صلوٰۃ اور عدم اعتقاد کی وجہ سے کافر و مرتد ہو جاتا ہے، اگر چہ اپنے تئیں برابر مومن یقین کرتا ہے۔ پھر ظاہر ہے اس کا ولی اللہ ہونا ناممکن، اور اسے ولی اللہ سمجھنا حماقت و ضلالت ہے۔

﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ تَؤُزُّھُمْ اَزًّا ۝﴾

(مریم: ۸۳)

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ ہم نے شیطانوں کو کافروں پر چھوڑ رکھا ہے کہ وہ
ان کو برانگیختہ کرتے رہتے ہیں۔

یعنی شیاطین کافروں کو برانگیختہ کرتے ہیں۔ لہٰذا یہی تو وہ لوگ ہیں جن پر شیطان نے پوری گرفت کر لی ہے اور انھیں ذکر الٰہی سے بھول میں ڈال دیا ہے۔

﴿ اُولٰٓئِکَ حِزْبُ الشَّیْطٰنِ ط اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطٰنِ ھُمُ

الْخَاسِرُوْنَ﴾ (المجادلۃ: ۱۹)

یہ لوگ شیطان کی جماعت ہیں۔ شیطان کی جماعت ہی ناکام جماعت ہے۔

حدیث میں ہے: ''جس آبادی میں تین شخص بھی ہوتے ہیں اوران میں نہ اذان دی جاتی ہے نہ نماز قائم کی جاتی ہےتو شیطان ان پر مسلط ہو جاتا ہے۔''

پس ہروہ تین آدمی جن پر اذان ونماز قائم نہیں کی جاتی، شیطان کی جماعت میں سے ہو جاتے ہیں کہ جن پر اس کی گرفت مضبوط ہوجاتی ہے اور وہ ہرگز اولیاء الرحمٰن میں سے نہیں ہو سکتے کہ جنھیں اللہ تعالیٰ اپنی عزت وکرامت سے سرفراز فرماتا ہے۔ اگر چہ کتنے ہی عابد وزاہد ہوں' روزے رکھتے ہوں' شب بیداری کرتے ہوں لبوں پر مہر سکوت لگائے رہتے ہوں اور آبادی سے الگ تھلک، سنسان مقامات میں رہبانوں کی طرح بسیرا کرتے ہوں جوڈیروں، بھٹوں' غاروں اور پہاڑوں میں رہتے ہیں۔ مثلاً کوہ لبنان' کوہ سون الیسون کے رہبان اور پہاڑ قاسیوں کے غاروں میں رہنے والے رہبان' یا اور ایسے مقامات جہاں بہت سے جاہل اور گمراہ عابد جاتے ہیں، عبادتیں کرتے ہیں، چلے کھینچتے ہیں بغیر اس کے کہ کبھی اذان دلائیں یا ایک وقت کی بھی نماز قائم کریں۔ وہ تمام وقت ایسی عبادتوں میں گزارتے ہیں جو اللہ ورسول نے مقرر نہیں کی ہیں۔ اپنے اوذاق ومواجید پر چلتے ہیں اور اپنے احوال میں نہ کتاب اللہ سے ہدایت یاب ہونے کی پرواہ کرتے ہیں، نہ سنت رسول اللہ کی پیروی کا کبھی خیال کرتے ہیں حالانکہ اللہ تک رسائی کا راستہ صرف ایک ہی ہے اور وہ خود اس نے بیان کر دیا ہے:

﴿اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط﴾ (آل عمران: ۳۱)

اگر تم واقعی اللہ سے محبت رکھتے ہوتو میری پیروی کرو۔ اللہ بھی تم سے محبت

کرے گا اور تمھارے گناہ معاف کر دے گا۔

اہل بدعت وضلالت

یہ لوگ اہل بدعت وضلالت ہیں' شیطان کے مرید ہیں' حاشا اولیاء اللہ نہیں ہیں اور نہ ہو سکتے ہیں۔ جو کوئی ان کی ولایت کی گواہی دیتا ہے جھوٹا گواہ ہے اور راہ راست سے بھٹکا ہوا ہے اور اگر یہ جان کر بھی کہ وہ رسول کے خلاف راہ پر چلتے ہیں ان کی بزرگی کی شہادت دیتا ہے تو دین اسلام سے خارج ہے۔ کیوں کہ ایسا کہنے والا یا تو رسول کی تکذیب کرنے والا ہو گا یا آپ کی لائی ہوئی شریعت میں شک رکھتا ہو گا یا جان بوجھ کر ہٹ دھرمی اور شرارت سے مخالفت پر کمربستہ ہو گا اور ظاہر ہے جو ایسا ہو، اس کے کافر ہونے میں کسی کو کوئی شک نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر وہ رسول کی لائی ہوئی شریعت سے جاہل ہو اور سچے دل سے یقین رکھتا ہو کہ آپ سب انسانوں کے ظاہر و باطن سے رسول ہیں اور یہ کہ بجز آپ کے اتباع کے کوئی دوسرا راستہ اللہ تک پہنچنے کا نہیں ہے پھر محض شریعت سے بے خبری اور سنت نبوی سے لاعلمی کی وجہ سے سمجھتا ہو کہ نو ایجاد عبادتیں اور شیطانی حقیقتیں شیطان کی طرف سے نہیں ہیں بلکہ بعینہ وہی ہیں جو رسول نے مقرر کی ہیں' تو اسے اسکی غلطی سے آگاہ کرنا' حق بتانا' کتاب وسنت کی ہدایت سے باخبر کرنا چاہیے۔ اگر جاننے پر توبہ کر لے تو بہتر ہے' ورنہ مذکور الصدر لوگوں کے زمرہ میں داخل ہو کر کافر و مرتد ہو جائے گا اور عذاب الٰہی سے اسے نہ کوئی عبادت بچا سکے گی اور نہ زہد پناہ دے سکے گا۔ مثل رہبانوں، صلیب پرستوں، آتش پرستوں اور بت پرستوں کے جو باوجود کثرت زہد و عبادت اور خوارق و مکاشفات شیطانیہ رکھنے کے نجات نہیں پا سکتے جیسا کہ قرآن میں ہے:

﴿ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۝ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ﴾ (الکہف: ۱۰۳، ۱۰۴)

کہہ دے کیا ہم تمھیں خبر دیں کہ کون ہیں اپنے اعمال کو خسارہ میں ڈالنے والے وہ ہیں جنھوں نے ضائع کیں اپنی کوششیں دنیاوی زندگی میں اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ اچھے کام کر رہے ہیں۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ وغیرہ صحابہ اور سلف صالحین نے اس آیت کا شان نزول یہ بیان کیا ہے کہ یہ ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے جو خانقاہوں اور ڈیروں میں عبادت و ریاضت کرتے ہیں اور بالکل عبث ہیں کیوں کہ انھیں کوئی اجر و ثواب حاصل نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ۝ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ﴾ (الشعرآء:۲۲۱، ۲۲۲)

کیا میں تمھیں بتاؤں کہ شیاطین کس پر اترتے ہیں؟ وہ ہر جھوٹے گنہگار پر اترتے ہیں۔

جھوٹا اور اثیم گنہگار کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا:

﴿ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ۝ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ﴾ (العلق:۱۵،۱۶)

البتہ ہم اس جھوٹے گنہگار کے پٹھے پکڑ کر گھسیٹتے ہیں۔

جو کوئی دین میں بغیر علم کے گفتگو کرتا ہے، جھوٹا ہوتا ہے اگر چہ نادانستہ ہی جھوٹ بولے۔ جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق اور عبداللہ بن مسعود وغیرہ کبار صحابہ سے مروی ہے کہ جب اپنے اجتہاد سے کوئی فتویٰ دیتے تو کہتے تھے: اگر یہ درست ہو تو اللہ کی طرف سے ہے اگر غلط ہو تو غلطی ہماری اور شیطان کی طرف سے ہے۔ اللہ اور اس کا رسول اس سے بری ہے۔

پس اگر مجتہد کی غلطی بھی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے حالانکہ مجتہد کو اس کی غلطی معاف ہے تو اس شخص کی غلطی بدرجہ اولیٰ شیطان کی طرف سے ہوگی جو بلا درجہ اجتہاد حاصل کیے ہوئے دین میں گفتگو کرتا ہے ایسا شخص اگر توبہ نہیں کرے گا تو مجتہد

کے برعکس اسے اپنی غلطی بھگتنا پڑے گی۔غرض کہ جو کوئی بھی بغیر علم واجتہاد کے گفتگو کرتا ہے وہ تو اس گفتگو میں جھوٹا اور گنہگار ہوتا ہے اگر چہ اور دوسرے معاملات میں نیکیاں رکھتا ہو۔ ❶

شیطان ہر انسان پر نازل ہوتا ہے اور اپنی شیطانی استعداد کے مطابق گمراہی کا منتر اس پر پھونکتا ہے۔ اسی طرح رحمانی استعداد اور اخلاص و اطاعت الٰہی جتنی زیادہ ہو اس میں دیکھتا ہے اتنا ہی دور اس سے بھاگتا ہے۔ قرآن میں ہے:

﴿اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ﴾ (الحجر: ۴۲)

میرے بندوں پر تجھے کچھ اختیار نہیں ہے۔

اور اللہ کے بندے وہی ہیں جنھوں نے اس کے رسولوں کی بتائی ہوئی عبادتوں پر اس کی پرستش کی ہے۔ لیکن جنھوں نے خود ساختہ طریقوں پر عبادت کی تو وہ رحمان کے نہیں سراسر شیطان کے پجاری ہیں۔ فرمایا:

﴿اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَیْكُمْ یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۝ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِیْ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ۝ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِیْرًا ؕ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ﴾

(یٰسٓ: ۶۰ تا ۶۲)

اے بنی آدم! کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا تھا کہ شیطان کو نہ پوجنا۔ بے شک وہ تمھارا کھلا ہوا دشمن ہے اور یہ کہ میری ہی عبادت کرنا۔ یہی سیدھی راہ ہے۔ البتہ شیطان تم میں سے ایک بڑی مخلوق کو گمراہ کر چکا

---

❶ اس سے مقصود یہ نہیں ہے کہ جب تک آدمی اجتہاد کا درجہ نہ حاصل کر لے جس کا دروازہ اس زمانہ میں ہمارے مولویوں نے بند کر رکھا ہے۔ اس وقت تک دین کی کوئی بات منہ سے نہ نکالیں، جیسا کہ بہت سی بدعتیں کرنے والے جاہل اپنے معترضوں سے کہہ دیا کرتے ہیں کہ تم عالم نہیں ہو اعتراض کیوں کرتے ہو؟ بلکہ مقصود یہ ہے کہ جس مسئلہ میں آدمی کو علم نہ ہو اس میں دخل نہ دے اور جس میں علم رکھتا=>

ہے۔پھر بھی کیا تم سمجھتے نہیں۔

پھر شیطان کے اکثر پجاری اس حقیقت سے عموماً ناواقف ہوتے ہیں کہ وہ شیطان کی عبادت کر رہے ہیں بلکہ کبھی تو اس وہم میں پڑ جاتے ہیں کہ ہم فرشتوں صالحین کی عبادت کرتے ہیں۔ جیسے وہ لوگ جو بزرگوں کی منتیں مانتے، ان سے فریادیں کرتے' اور انھیں سجدے کرتے ہیں۔ درحقیقت یہ بھی اس پر وہ نادانستہ شیطان کی پرستش کرتے ہیں'اگرچہ برابر اسی دھوکا میں پڑے رہتے ہیں کہ ہم فرشتوں اور صالحین کی عبادت نہیں کرتے بلکہ ان کا وسیلہ و شفاعت چاہتے ہیں: قرآن میں ہے:

﴿ و یَوۡمَ یَحۡشُرُهُمۡ جَمِیۡعًا ثُمَّ یَقُوۡلُ لِلۡمَلٰٓئِکَةِ اَهٰۤؤُلَآءِ اِیَّاکُمۡ کَانُوۡا یَعۡبُدُوۡنَ ۝ قَالُوۡا سُبۡحٰنَکَ اَنۡتَ وَلِیُّنَا مِنۡ دُوۡنِهِمۡ ۚ بَلۡ کَانُوۡا یَعۡبُدُوۡنَ الۡجِنَّ ۚ اَکۡثَرُهُمۡ بِهِمۡ مُّؤۡمِنُوۡنَ﴾(سبا: ۴۰ تا ۴۱)

اور جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے پھر فرشتوں سے پوچھیں گے کیا یہ لوگ تمھاری ہی پوجا کرتے تھے..وہ کہیں گے آپ پاک ہیں۔تو ہی ہمارا دوست (ولی) تھا،ان کے علاوہ۔ بلکہ وہ تو جنوں کی عبادت کرتے تھے اور اکثر ان پر ایمان رکھنے والے تھے۔

یہی حال کواکب پرستوں کا ہے کہ ہم آفتاب کو سجدہ کرتے یا ستاروں سے مناجات کر رہے ہیں حالانکہ فی الواقع ان کی تمام توجہ وعبادت شیطان کی طرف ہوتی ہے۔پھر جب ان پر بعض ارواح نازل ہوتی ہیں'ان سے مخاطب ہوتی ہیں'ہونے

=>ہو اس مسئلہ میں ضرور بولے۔خصوصاً شرک و بدعت اور تقلید و جمود پر اعتراض کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے اگر عالم نہ بھی ہو کیوں کہ یہ ایسی صاف گمراہیاں ہیں جن کا علم بالکل آسان اور ہر شخص کو حاصل ہو سکتا ہے

والے واقعات سے انھیں آگاہ کر دیتی ہیں اور بعض ضرورتیں پوری کر دیتی ہیں تو یہ اپنی نادانی سے اسے کواکب کی روحانیت یا فرشتوں کا نزول سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب کارروائیاں ابلیس لعین ہی کی ہوتی ہیں۔ وہی ان پر اترتا ہے اور یہ شعبدے دکھاتا ہے۔ قرآن میں ہے:

﴿ وَ مَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴾ (الزخرف:٣٦)

جو اللہ کے ذکر سے اعراض کرتا ہے ہم اس پر شیطان تعینات کر دیتے ہیں اور وہ اس کے ساتھ برابر لگا رہتا ہے۔

رحمٰن کا ذکر کیا ہے؟ اس کی اتاری ہوئی ہدایت یعنی کتاب وسنت ہے جس کی اتاری ہوئی ہدایت یعنی کتاب وسنت ہے جس کی بابت خود ارشاد فرمایا:

﴿ وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ مَا اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ﴾ (البقرة:٢٣١)

اور یاد کرو اپنے اوپر اللہ کے احسان کو اور جو اس نے کتاب وحکمت تم پر اتاری ہے۔ جس سے وہ تمھیں نصیحت بخشتا ہے۔

اور

﴿ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ (آل عمران:١٦٤)

یقیناً یہ اللہ کا مومنوں پر بڑا احسان ہے کہ اس نے خود انھیں میں سے ایک رسول ان کے پاس بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے۔ انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے۔

دوسری جگہ خود لفظ ذکر سے اسے تعبیر کیا ہے۔

﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ ﴾ (الحجر: ۹)
ہم ہی نے ذکر نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے پاسبان ہیں۔

کتاب وسنت سے اعراض کا نتیجہ

پس جو کوئی اس ذکر یعنی کتاب وسنت سے اعراض اور روگردانی کرتا ہے تو اس کے ساتھ شیطانوں میں سے ایک شیطان لگا دیا جاتا ہے اور وہ جس حد تک شیطان کی پیروی کرتا ہے اسی حد تک اولیاء الشیطان میں سے ہو جاتا ہے۔ پھر ایسے لوگ بھی ہیں جنھیں کبھی رحمٰن کی طرف میلان ہوتا ہے اور کبھی شیطان کی طرف تو ان میں ایمان وولایت اتنی ہی مقدار میں ہوتی ہے جتنی مقدار میں وہ اللہ کی طرف جھکتے ہیں اور نفاق وعداوت الٰہی بھی اتنی ہی مقدار میں ہوتی ہے جتنی وہ شیطان سے دوستی اور محبت رکھتے ہیں۔۔۔ مسند احمد میں حدیث ہے کہ فرمایا: ''قلب چار قسم کے ہوتے ہیں: ایک وہ جو کھلا ہوتا ہے اور اس میں ایک چراغ سا روشن ہوتا ہے۔ یہ مومن کا قلب ہے۔ دوسرا وہ جو بند ہوتا ہے اور یہ کافر کا قلب ہے۔ تیسرا وہ جو الٹا لٹکا ہوتا ہے اور یہ منافق کا قلب ہے، چوتھا وہ جس میں ایمان اور نفاق دونوں کے مادے ہوتے ہیں۔ ان میں جو غالب ہو جاتا ہے اسی کے موافق وہ ہو جاتا ہے۔ صحیحین میں ہے کہ جس میں چار خصلتیں پائی جائیں وہ منافق ہے اور وہ یہ ہیں: امین بنایا جائے تو خیانت کرے، بات کرے تو جھوٹ بولے، عہد کرے تو بے وفائی کرے، جھگڑا کرے تو گالی بکے۔۔۔ اس حدیث میں نبی ﷺ نے صاف بیان فرما دیا کہ ایک ہی قلب میں نفاق اور ایمان دونوں کی شاخیں موجود ہو سکتی ہیں۔ پس جس میں نفاق کی شاخ جتنی زیادہ بڑی ہوگی اتنا ہی وہ اللہ سے دور اور بیزار ہوگا اور ایمان کی شاخ جتنی لمبی ہوگی اسی حساب سے وہ اللہ سے محبت اور دوستی رکھے گا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض لوگوں کے کچھ خوارق ان کے ایمان وتقویٰ کی جہت سے صادر ہوتے ہیں اور اولیاء اللہ کی کرامات میں شمار ہوتے ہیں اور کچھ نفاق، وعداوت کی جہت سے صادر ہوتے ہیں اور

شیطانی احوال میں گنے جاتے ہیں۔اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہرنماز میں دعا مانگا کریں:

﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴾ (الفاتحة:۵تا۷)

ہمیں سیدھی راہ کی ہدایت کر جوان لوگوں کی راہ ہے جن پر تو نے احسان کیا ہے، نہ ان پر (تیرا) غضب پڑا ہے، نہ وہ گمراہ ہیں۔

اَلْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وہ لوگ ہیں جو حق کو جانتے اوراس کے خلاف عمل کرتے ہیں اور ''ضالون'' وہ لوگ ہیں جو بغیر علم کے اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔پس جو کوئی جان بوجھ کر کتاب وسنت کی مخالفت کرتے ہوئے اپنے ذوق اور ہوائے نفس کی پیروی کرے گا تو وہ اَلْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ میں سے ہو جائے گا اور جو جہالت کی راہ سے کتاب وسنت کو چھوڑ کر بغیر علم کے عبادت کرے گا تو ضالون میں سے ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ ہمیں صراط مستقیم کی ہدایت کرے جو انبیاء وصدیقین وشہداء وصالحین کی راہ ہے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ۔

تمت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ
وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ
عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ○
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی
اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی
اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ○

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا۔ اس کے دس گناہ معاف اور دس درجے بلند فرمائے گا۔ (سنن نسائی)

علم انسانیت کے لیے مشعلِ راہ ہے

خوبصورت اور معیاری کتابیں

